سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اردو (پاکستان)

نمبر ۲۵۰

دیوانِ فغاں

مع مقدمہ

مرتبہ

جناب سید صباح الدین عبد الرحمن صاحب (علیگ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی

طبع اول | سنہ ۱۹۵۰ء | قیمت ۔۔۔

سلسلۂ مطبوعات انجمن ترقی اردو (پاکستان)
نمبر ۲۵۰

دیوان فغاں

مع مقدمہ

مرتبہ

جناب سید صباح الدین عبدالرحمن صاحب (علیگ)

شائع کردہ

انجمن ترقی اردو (پاکستان) کراچی

طبع اول   سنہ ۱۹۵۰ء   قیمت سے

منشی ناظر علی کے ناظر پرنٹنگ پریس کراچی میں چھپی

فہرست مضامین دیوان فغاں

مقدمہ

اشرف علی فغاں

نام و نسب مرزا اشرف علی خاں نام اور فغاں تخلص تھا شاہ جہاں آباد میں پیدا ہوئے سنہ ولادت معلوم نہ ہوسکا، مگر احمد شاہ کے رضاعی بھائی تھے، اس لئے اس کے سنہ ولادت سے ان کی پیدائش کی تاریخ بھی متعین کی جاسکتی ہے۔ احمد شاہ کا سنہ پیدائش سنہ ۱۱۴۱ھ ہے، رضاعی بھائی ہونے کی حیثیت سے اشرف علی خاں ایک یا زیادہ سے زیادہ دو سال بڑے ہوں گے، اس لئے ۱۱۳۹ھ سے سنہ ۱۱۴۱ھ تک کے کسی سال میں ان کی پیدائش ہوئی ہوگی۔

والد کا نام مرزا علی خاں نکتہ[1] تھا، نکتہ شاید تخلص ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ اشرف علی خاں کے پدر بزرگوار بھی شاعر تھے۔ ان کا خاندان دنیاوی وجاہت کے لحاظ سے ممتاز تھا اور تیموری دربار سے گہرا تعلق رکھتا تھا، ماں نے احمد شاہ کو دودھ پلایا اس لئے کوکہ، کوکہ خاں[2]، کوکلتاش یا کوکلتاش خاں[3] بہادر کہلائے، چچا ایرج خاں مرشد آباد میں شاہی ملازم[4] شاید وہاں کے حاکم تھے[5]۔

---

۱ گلشن ہند مولفہ مرزا علی لطف مرتبہ مولانا شبلی و مولوی عبد الحق ص ۲۱۳ ۲ مخزن نکات مصنفہ شیخ محمد قیام الدین قائم ص ۲۷ انجمن ترقی اردو ۳ مجموعہ نغز مصنفہ میر قدرت اللہ قاسم مرتبہ پروفیسر محمود شیرانی جلد دوم ص ۳ ۴ گلشن بے خار از مصطفٰی خاں شیفتہ ص ۲۲۰ ۵ گلشن ہند ص ۱۳۰ ۶ آب حیات ص ۱۱۴

تلمذ فغاں کے تعلیمی حالات کا ذکر کسی تذکرہ میں نہیں محمد حسین آزاد نے صرف اتنا لکھا ہے کہ "ابتدائے عمر میں شعر گوئی کا شوق ہوا طبیعت ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ جب ہی سے اس کام میں نام پیدا کیا"[1] شاعری میں شاید کئی استادوں سے مستفید ہوئے ان کے دوست اور معاصر میر تقی میر نے لکھا ہے کہ وہ قزلباش خاں امید کے شاگرد تھے[2] مصحفی[3] اور لطف[4] نے ان کو ندیم کا شاگرد بتایا ہے، نساخ نے بھی ان کو علی قلی خاں ندیم کا شاگرد بتایا ہے، اور لکھا ہے کہ "بعضے صاحب تذکرہ نے جو ان کو قزلباش خاں امید کا شاگرد لکھا ہے غلطی کی ہے"[5]

فغاں نے ندیم[6] سے اپنے رشتۂ شاگردی کا اظہار جا بجا کیا ہے۔

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرت ندیم — پیر تھا مرشد تھا ہادی تھا مرا استاد تھا

ہر چند اب ندیم کا شاگرد ہے فغاں — دو دن کے بعد دیکھیو استاد ہووے گا

وحشت جنوں میں کیوں نہ پھروں میں برہنہ پا — اب تو فغاں ندیم مرا رہ نماں ہوا

کہتا کوئی فغاں کی طرف سے ندیم کو — اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں

---

[1] آب حیات از محمد حسین آزاد ص ۱۱۳ [2] نکات الشعراء مولفہ میر تقی میر مرتبہ مولانا حبیب الرحمان خاں شیروانی ص ۲۳

[3] تذکرہ ہندی مولفہ غلام ہمدانی مصحفی مرتبہ مولوی عبدالحق صاحب ص ۱۶۰ [4] گلشن ہند ص ۱۳۰

[5] سخن شعراء مولفہ عبدالغفور خاں نساخ نول کشور پریس ص ۳۶۹ [6] ندیم: نام مراد علی قلی خاں تھا وطن شاہجہان آباد تھا دہلی کی تباہی کے بعد مرشد آباد آئے اور نواب میر جعفر خاں کی ملازمت میں داخل ہوئے اسی کے عہد میں ان کا انتقال ہوا پہلے مرثیہ وسلام کہا کرتے تھے لیکن پھر ریختہ کہنے لگے۔ میر حسن نے ان کے بارے میں لکھا ہے کہ:- "مردے بود بہ کمال قابلیت شعر فارسی و مرثیہ و ریختہ بخوبی می گفت" ان کے مختصر حالات تذکرہ ہندی مجموعۂ نغز، گلزار ابراہیم اور تذکرۂ میر حسن میں ملیں گے۔

مگر ایک قطعہ میں فغاں نے امید کا بھی نام لیا ہے؛

شاہد حال ہے یہ مصرعِ امید فغاں / کہ اسے گو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط
اول عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا / بعد آیا تو عبث فائدہ باللہ غلط
اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہی میری / کردہ ایں مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

اس قطعہ سے امید اور فغاں کے ذہنی تعلقات کی غمازی ہوتی ہے۔

مولانا عبدالحی نے گل رعنا میں لکھا ہے کہ "ممکن ہے کہ پہلے امید سے اصلاح لیتے ہوں، پھر ندیم کے شاگرد ہوئے ہوں یا فارسی میں ان کے شاگرد ہوں [1]" ممکن نہیں بلکہ یہ واقعہ ہے کہ فغاں نے فارسی میں امید سے اصلاح لی۔

لچھمی نرائن شفیق کے تذکرہ چمنستانِ شعرا میں ہے

در شعر فارسی اصلاح سخن از قزلباش خاں امید می گرفت [2] ۔

---

[1] گل رعنا ص ۱۱۰ دار المصنفین اعظم گڑھ۔ [2] چمنستان شعرا ص ۱۴ [3] قزلباش خاں امید اصلی نام مرزا محمد رضا تھا، ہمدان کے رہنے والے تھے، جوانی میں ترک وطن کر کے اصفہان آئے اور مرزا طاہر وحید کے شاگرد ہوئے، اورنگ زیب کے زمانہ میں ہندوستان آئے اور شاہی ملازمت میں داخل ہو کر بہادر شاہ کے وقت میں قزلباش خاں خطاب اور ہزاری منصب پایا، چناں چہ خود کہتے ہیں

مثل بلبل ہمیشہ نالانم / ایں بود منصب ہزاری ما

معز الدین کے وقت میں کسی خدمت کی تقریب سے برہان پور گئے اور جب امیر الامرا سید حسین دکن کا صوبہ دار مقرر ہوا تو یہ اس کے دامنِ دولت سے وابستہ ہو کر کرناٹک کے داروغہ ہوئے یہاں بھی زمانہ نے ساتھ نہ دیا تو حیدرآباد کے ناظم مبارز خاں کی سرکار میں آ کر ملازمت کی جب نظام الملک آصف جاہ نے مبارز خاں پر فتح پائی تو یہ بھی قید ہوئے مگر انھوں نے آصف جاہ کی خدمت میں ایک غزل پیش کی جو آصف جاہ کو ایسی پسند آئی کہ امید کو نہ صرف قید سے آزاد کیا بلکہ کرناٹک کے علاقہ منی مرگ کی قلعہ داری مرحمت کی کچھ دنوں کے بعد حج کرنے گئے وہاں سے واپس ہوئے تو آصف جاہ کے مقرب خاص بن کر ۱۱۵۰ھ میں دہلی آئے۔ آصف جاہ جب مرہٹوں کی بغاوت فرو کرنے کے لیے بھوپال گئے تو امید بھی ہم رکاب تھے نادر شاہ کے حملے کے زمانہ میں آصف جاہ کو دہلی بلایا گیا تو وہ بھی ساتھ آئے پھر دہلی کی محبت سے ایسے مغلوب ہوئے کہ بقیہ عمر یہیں گذار دی اور ۱۱۵۹ھ میں انتقال کیا، آٹھ ہزار فارسی اشعار کا ایک دیوان چھوڑا کبھی کبھی ریختہ بھی کہتے تھے فن موسیقی کے بھی ماہر تھے (مآثر الکرام دفتر ثانی میر غلام علی آزاد بلگرامی ص ۲۱۰ گلزار ابراہیم انجمن ترقی اردو ص ۱۸، ۱۹، ۲۰)

فغاں نے اپنے قطعات میں بیتاب اور حشمت کے بھی نام لیے ہیں،

سن کے اس مطلع بیتاب کو کہتا ہی فغاں ۔۔۔ کھینچیے تیغ مری جاں کہ تیار ہوں میں
قتل گر کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں ۔۔۔ ہاں میاں تشنۂ آبِ دمِ تلوار ہوں میں[1]
غل اٹھا مصرعۂ حشمت کا فغاں زنداں میں ۔۔۔ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ[2]

---

[1] بے تاب۔ نام محمد اسماعیل، مصطفےٰ خاں یک رنگ کے شاگرد تھے۔ گردیزی نے لکھا ہی کہ

"نکتہ سنج معنی یاب محمد اسماعیل بے تاب پایۂ سخنش بلند و حرفش دل پسند است"

لچھمی نرائن شفیق لکھتے ہیں کہ

"سحاب گوہر پاش سخن و دریائے مواج ایں فن است خود را از تلامذۂ مصطفےٰ خاں یکرنگ می پندارد و کلا مشہائے فراواں بہ الفاظ تازہ و مضامینِ نو می دارد" ص ۹۳

گھوڑے سے گر کر ایسے زخمی ہوئے کہ پھر جاں بر نہ ہو سکے۔

[2] حشمت کا پورا شعر یہ ہے :۔

نکہتِ گل نے جگایا کسے زنداں کے بیچ ۔۔۔ پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

حشمت تخلص اور نام محتشم علی خاں تھا باپ کا نام میر باقی اور بڑے بھائی کا میر ولایت اللہ خاں تھا' ان کا خاندان بدخشاں سے ہندوستان آیا نسباً سید تھے لیکن پیشہ سپہ گری تھا دہلی میں مغل پورہ میں رہتے تھے اپنے زمانہ کے ممتاز شاعر تھے' محمد شاہ کے عہد میں انتقال ہوا۔ گردیزی میں ہی :۔

"سخنش دل پسند است و فکرش بلند بکمال خوش خلقی و فراخ حوصلگی زیست می کرد۔۔۔۔ دیوانش بہ سرکردہ و چشمۂ آب را دہ حقا کہ دراں تلاش معنی تازہ کردہ و الفاظ رنگیں بروئے کار آوردہ احیا ناً ریختہ می گفت"

میر تقی میر ان کے بارے میں لکھتے ہیں کہ "شاعر خوب فارسی و ریختہ فہیدہ سنجیدہ باہم بہ عجز و انکسار پیش می آید چنیں بود کہ در دل ہر کس جائے او خالی است بر فقیر شفقت و عنایت بسیار می کرد۔"

گلشن ہند میں ہی کہ "از مشاہیر شعرائے دہلی است شعر فارسی را نیکو می گفت و ترکیب ہندی ریختہ از وے بسیار شہرت دارد و اظہار و اسوختگی دلنشین مردم افتادہ است۔۔۔۔ ارتحالش در زمان محمد شاہ فردوس آرام گاہ است"

معلوم نہیں فغاں نے ان دونوں کے نام محض تحسین کے جذبے میں لیے ہیں یا کسی فیض کے امتنان و تشکر میں ؟

فغاں کے حالاتِ زندگی

فغاں بچپن سے جوانی کے عالم تک احمد شاہ کے ساتھ رہے[1] احمد شاہ کی تخت نشینی کے بعد اس کے ندیم خاص ہوئے احمد شاہ ان کی لطیفہ گوئی، بذلہ سنجی اور حاضر جوابی کا بے حد قدرداں تھا اس لیے ظریف الملک کوکہ خاں بہادر کا خطاب عطا کیا[۲]۔ اشرف علی کی حیثیت محض لطیفہ گو کی نہ تھی بلکہ وہ ایک معزز درباری امیر تھے۔ شیخ محمد قیام الدین قائم مخزن نکات (نوشتہ ۱۱۶۸ھ) میں لکھتے ہیں :-

"درزمانِ سلطنت مرزا احمد بمنصب پنج ہزاری مفتخر و مباہی گشت[۳]"

تذکرہ ریختہ گویاں مولفہ سید فتح علی حسینی گردیزی (نوشتہ ۱۱۶۶ھ) میں ہے :-

"اشرف علی خاں فغاں تخلص از عمدہ منصب داران عہد سعادت مہد است[۳]"

اس کی تصدیق میر تقی میر کے بیان سے بھی ہوتی ہے۔

فغاں تخلص کوکۂ بادشاہ احمد شاہ داخل ذیل نیمچۂ امرایان ست[۴]

لچھمی نرائن شفیق نے چمنستانِ شعرا میں لکھا ہے :-

ازامرایانِ درگاہ احمد شاہ بادشاہ بود[۵]

۱؎ گلشن ہند ص ۲۰۰، ۱۲؎ مخزن نکات ص ۴۲ ۳؎ تذکرہ ریختہ گویاں مولوی فتح علی حسینی گردیزی و مرتبہ مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو ص ۱۲۱ ۴؎ نکات الشعرا مولفہ میر تقی میر مرتبہ مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی ص ۷۸ ۵؎ چمنستان شعرا انجمن ترقی اردو ص ۴۸۰

مہر قدرت اللہ قاسم نے بھی انھیں "بسیار عمدہ معاش[1]" اور شفیق نے " از اہلِ ثروت بود[2]" لکھا ہے۔

کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ کے دیوانِ فغاں کے قلمی نسخہ کے آخر میں جو عبارت لکھی ہوئی ہے، اس میں فغاں کے القاب و خطاب کی تفصیل اس طرح درج ہے:۔

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں
مخاطب بہ خطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر
یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان۔"

مصاحب الدولہ اور یکہ تاز جنگ کے خطابات شاید تیموری دربار ہی سے ملے ہوں گے، اس لئے فغاں نے فخر کے ساتھ اپنے دیوان کے آخر میں ان کو تحریر کیا ہے کیونکہ یہ دیوان جیسا کہ آگے معلوم ہوگا، فغاں کی زندگی میں ان ہی کے لئے لکھا گیا تھا مگر اشرف علی فغاں کو امارت و ثروت کی بہار زیادہ دنوں تک دیکھنا نصیب نہ ہوا ان کی زندگی کا زمانہ وہ تھا جب شاہ جہاں آباد پر مصیبت والم کی گھٹائیں چھائی تھیں محمد شاہ کے عہد کی طوائف الملوکی اور خانہ جنگی مرہٹوں کی سرکشی اور شورہ پشتی اور نادر شاہ کی غارت گری اور خوں ریزی سے تیموری حکومت کی بنیادیں کھوکھلی پڑ گئی تھیں اکبر اور عالمگیر کی پُرجلال اور پرشوکت سلطنت کا زوال اپنے عروج پر تھا، محمد شاہ کے بعد احمد شاہ تخت پر ضرور بیٹھا لیکن وہ محض اپنے اجداد کی سلطنت کی پامالی اور بیخ کنی کے مناظر دیکھنے کو بیٹھا تھا۔ سلطنت میں ایک لوٹ مچی ہوئی تھی، نادر شاہ کے بعد احمد شاہ درانی کی نظریں ہندوستان جنت نشان پر لگی ہوئی تھیں، وہ تیمور ہی

---

[1] مجموعۂ نغز ص ۲، [2] گلشن بے خار ص ۰۰۲ مطبوعہ اردو اخبار پریس دہلی

سلطنت کے چراغ کو اپنی طوفانی فوجوں کے تند جھونکوں سے بجھا دینا چاہتا تھا مگر قدرت نے یہ انجام اس کے ہاتھوں سے نہ لکھا تھا وہ آیا اور چلا گیا۔ تیموریوں میں درانیوں کے حملوں کو روکنے کی تاب نہ تھی اس لئے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر احمد شاہ نے تھوڑے دنوں کے لئے اپنے کو بچا لیا لیکن تنہا درانیوں کے حملہ ہی کی مصیبت نہ تھی درانی جانے بھی نہ پائے تھے کہ روہیلوں اور مرہٹوں کی معاندانہ کارروائیوں سے سلطنت کا شیرازہ اور بکھر گیا، خود دربار میں امراء و اعیان سلطنت میں اتفاق نہ تھا، ان کی ریشہ دوانیوں سے رہی سہی قوت بالکل جاتی رہی، بادشاہ بے جان اور عائد حکومت کے ہاتھوں مجبور تھا، آخر کار ۱۱۶۷ھ میں احمد شاہ تخت سے اتار کر قید خانہ میں بٹھا دیا گیا، اور دوسرا بے بس اور لاچار بادشاہ عالمگیر ثانی کے لقب سے زینت تخت و تاج بنایا گیا۔

ان ہنگاموں میں احمد شاہ کے درباری امیر ندیم خاص اور رضاعی بھائی اشرف علی خاں فغاں کو بھلا کہاں چین نصیب ہو سکتا تھا دربار قتل و خون کا مرکز اور شاہ جہاں آباد کی گلیاں ماتم کدہ بنی ہوئی تھیں، دولت اور عزت دونوں کی غارتگری ہو رہی تھی، فغاں دلی کی بربادی نہ دیکھ سکے اور وہاں سے چل کھڑے ہوئے۔

یہ کہنا مشکل ہے کہ احمد شاہ کی معزولی کے فوراً ہی بعد یا کچھ دنوں رہ کے فغاں نے دہلی چھوڑی لیکن قیاس کہتا ہے کہ احمد شاہ کی معزولی اور قید کے بعد دہلی چھوڑی۔ فغاں کے معاصر مصحفی اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ

"در ایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد برآمدہ بہ طرف پورب گذر افگند[۱]"

---

[۱] تذکرہ ہندی مولوی عبدالحق ہمدانی مصحفی انجمن ترقی اردو ص ۱۶۰

"تفرقۂ شاہ" سے احمد شاہ کی قید ہی مراد ہوگی لیکن مجموعۂ نغز (نوشتہ ۱۲۲۱ھ) میں ہی کہ

"بنا بر افراط و تفریطے کہ در ہنگامہ آرائی افاغنۂ ابدالی بحضرت دہلی رُوداد، بدیارِ شرقیہ رحلِ اقامت انداخت[1]"

شاید اسی استناد پر محمد حسین آزاد نے لکھا ہی کہ "جب احمد شاہ درّانی کے حملوں نے ہندوستان کو تہ و بالا کر دیا اور دلّی کے دربار میں طور بے طور دیکھا" تو فغاں دہلی چھوڑ کر باہر چلے گئے۔ یہی بات گلِ رعنا میں بھی کہی گئی ہی، لیکن جب ہم احمد شاہ درانی کے حملوں کی تاریخوں کو پیشِ نظر رکھتے ہیں تو ان بیانات میں کچھ الجھاؤ پیدا ہو جاتا ہی، احمد شاہ درّانی کا پہلا حملہ محمد شاہ کے زمانہ میں سنہ ۱۱۶۰ھ مطابق سنہ ۱۷۴۷ء میں ہوا، دوسرا احمد شاہ کے زمانہ میں سنہ ۱۱۶۱ھ (مطابق سنہ ۱۷۴۸ء) میں ہوا، اس حملہ میں لاہور کے قریب مغل اور درّانی متصادم ہوئے لیکن احمد شاہ نے ملتان اور لاہور کے دو صوبے دے کر یہ بلا دور کی۔ احمد شاہ کے زمانہ میں درانیوں کا پھر کوئی حملہ نہ ہوا، وہ سنہ ۱۱۷۲ھ (مطابق سنہ ۱۷۵۹ء) میں ہندوستان پھر آئے اور مرہٹوں کی قوت پر ایسی کاری ضرب لگائی کہ ان کی بڑھتی ہوئی قوت پھر نہ سنبھل سکی، اب اگر یہ مان لیا جائے کہ فغاں نے درانیوں کے حملہ کی طوائف الملوکی میں دہلی چھوڑی، تو انھوں نے یا تو سنہ ۱۱۶۱ھ یا سنہ ۱۱۷۲ھ کے بعد دہلی چھوڑی ہوگی، اگر سنہ ۱۱۶۱ھ کے بعد وطن ترک کیا تو گویا احمد شاہ کی زندگی ہی میں اس کو خیرباد کہا جو قیاس میں نہیں آتا، اور اگر سنہ ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے تو احمد شاہ کی معزولی کے پانچ برس بعد تک وہیں قیام پذیر رہی جس کو یقین کرنا ذرا مشکل ہی، چناں چہ

---

[1] مجموعۂ نغز حصہ دوم ص ۷۲

مصحفی کا یہ بیان کہ فغاں نے احمد شاہ کی قید کے بعد دہلی چھوڑی زیادہ صحیح معلوم ہوتا ہے۔ اتفاق سے فغاں نے اپنے دیوان میں ایک جگہ خود اسی کے متعلق اشارہ کیا ہے۔ دہلی چھوڑنے کے بعد وہ اپنا دردناک حال لکھتے ہیں :-

لکھے شرحِ غم گر دلِ دردناک / تو اپنی زباں کلک کرتی ہے چاک
مرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ / بہاتی ہے چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہے ماجرا درد کا / دلِ سرد کا اور رُخِ زرد کا
بیاں سے بجا ہے کہ خاموش ہوں / کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے بے حجاب / کہ یہ راز روشن ہے جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں / گرفتارِ غم کی روایت کے تئیں

اور یہ حکایت فغاں کے محبوب آقا اور رضاعی بھائی احمد شاہ کی ہے، جس سے ان کی محبت عشق کے درجہ تک پہنچ گئی تھی۔

جہاں میں مرا ایک دلدار تھا / اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے / نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو / نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی / سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں / تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا / سدا وصل کے بیچ آرام تھا
جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں / تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں
اسی کو میں کہتا تھا ہے ماہتاب / وہی تھا مرا پنجۂ آفتاب
میں پوجوں تھا اس صنم کے تئیں / نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں
وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا / غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا

شاہ مذکور سے فغاں کے اختلاط و محبت کی شدت ملاحظہ ہو :۔

سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی | کہیں خوش طبع ہو مرے یار کی
اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج | چلے تھا وہاں سے تو بے لاعلاج
یہ کہتا تھا ارد و ستم گار کو | نہ چھوڑا اس مزے میں تو گلزار کو
ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال | کہ حیرت سے رہ گئی ہے آنکھیں نکال
ارے اے مری جان اس وقت میں | ارے تیرے قربان اس وقت میں
ترا ہنس کے کہنا میں گھر جاؤں گا | مرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا
یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز | کوئی اس میں محمود کوئی ایاز

مگر یہ ساری نشاط انگیزیاں اس وقت کافور ہو گئیں جب کہ

فلک نے یکایک ستم یہ کیا | دلِ شاہ کو داغ حرماں دیا

شاید اس سے احمد شاہ کی معزولی ہی مراد ہے، اس کے بعد فغاں کا کیا حال ہوا، وہ خود ہی لکھتے ہیں :۔

نہ پہنچا کوئی واں مری داد کو | چلا تب تو میں مرشد آباد کو

آخری شعر سے صاف ظاہر ہے کہ دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں مرشد آباد گئے مگر مصحفی رقم طراز ہیں :۔

"درایامے کہ بہ سبب تفرقۂ شاہ از شاہ جہاں آباد برآمد، بہ طرف پورب گذرانیدہ و سرفت میر محمد نعیم خاں کہ ہم مکتب ایشاں بود، بہ ملازمت نواب شجاع الدولہ بہادر رسیدہ یکے از مقرباں گردانید[1]"

---

[1] تذکرہ ہندی ص ۱۷۶

فغاں کے مذکورۂ بالا شعر کے بعد کیونکر یقین کیا جا سکتا ہے کہ وہ دہلی سے نکلے تو سیدھے نواب شجاع الدولہ کے یہاں پہنچے۔ نواب موصوف ۱۱۶۷ھ میں یعنی احمد شاہ کی معزولی کے سال اپنے باپ صفدر جنگ کے جانشین ہوئے۔ ظاہر ہے کہ فغاں کی حمیت نے یہ گوارا نہ کیا ہوگا کہ اپنے شفیق اور جاں نثار رضاعی بھائی کے قید خانہ جاتے ہی وہ ایک دوسرے فرماں روا کی آستاں بوسی کے لیے پہنچ جاتے۔ اس بے بسی کے عالم میں دہلی کو چھوڑا ہوگا تو بزرگوں کے پاس مرشد آباد چلے گئے ہوں گے۔ اس زمانہ میں دہلی اور اودھ کے بعد شاعری کی بزم عظیم آباد اور مرشد آباد کہاں میں جمتی تھی، مگر مرشد آباد میں زمانہ نے فغاں کا ساتھ نہ دیا، وہ وہاں سے واپس ہوئے، تذکرۂ گلشن ہند میں ہے کہ وہ پھر شاہ جہاں آباد آ گئے۔ اس کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:-

> دلّی سے مرشد آباد میں اپنے چچا کے پاس کہ محمد ایرج خاں کر کے مشہور تھے وارد ہوئے لیکن نہ رہا اور تھوڑے ہی دنوں میں پھر شاہ جہاں آباد چلے گئے۔ بعد کئی برس کے عظیم آباد میں آئے اور بطور بود و باش کے وہاں ٹھہرے[1]۔

اس واپسی کے بعد معلوم نہیں ان کا قیام دہلی میں کتنے دنوں رہا۔ صاحب گلشن ہند کے "کئی برس" کی مدت میں درانیوں کے آخری حملہ (۱۱۷۰ھ) کا سال شامل کر لیا جائے تو میر قدرت اللہ قاسم اور ان کے ہم نوا مولانا محمد حسین آزاد اور مولانا عبدالحی کا یہ بیان کہ "درانیوں نے جب دہلی کو تہ و بالا کر دیا تو فغاں نے پریشان ہو کر دلّی کو خیرباد کہا" صحیح ہو سکتا ہے، مگر نواب علی حسن خاں نے اپنی "صبح گلشن" میں معلوم نہیں کس سند پر لکھا ہے کہ فغاں ۱۱۶۸ھ میں عظیم آباد پہنچ گئے

---

[1] گلشن ہند۔ ص ۱۳۰

سکتے، ان کی اصلی عبارت ملاحظہ ہو۔

ہمیں کہ از وطن برمید و درا ودہ رسید، رفاقت نواب وزیر شجاع الدولہ بہادر گزید مگر آخر ساز مصاحبت کوک نہ گردید پس از آنجا در سنہ سبعین و مأتہ والف صوب عظیم آباد رسید[۱]"

اگر ہم اس تاریخ کو صحیح جان لیں تو یہ قیاس غلط ہوگا کہ فغاں جب دوسری بار شاہ جہاں آباد واپس آئے تو پھر درانیوں کے آخری حملے ۱۱۷۲ھ کے بعد نکلے اور اگر غلط سمجھ لیں تو پھر بہت ممکن ہے کہ انھوں نے دوسری بار درانیوں کے حملے کے بعد ہی دہلی چھوڑی،

بہر حال دوسری بار دہلی سے نکلنے کے بعد فغاں نواب شجاع الدولہ کے دربار پہنچے۔ صاحب گلشن ہند نے ان کے نواب موصوف کے یہاں پہنچنے کا مطلق ذکر نہیں کیا ہے، شاید اختصار سے کام لیا ہے، نواب مصطفےٰ علی خاں کے یہاں تو یہ اختصار اور بھی بڑھ جاتا ہے، وہ لکھتے ہیں :۔

"ازیں (یعنی شاہ جہاں آباد سے) نقل و حرکت بہ عظیم آباد سکونت اختیار کردہ[۲]"

مخزن نکات میں شیخ قائم کا بیان اور بھی الجھا ہوا ہے

"دریں ایام در دار الامان ہندوستان کہ گردسیمہ آفات و شاہراہ بےتاب است بپاس آبروئے خویش سفر بنگالہ گزید و ہماں جا رخت اقامت انداخت[۳]"

مگر فغاں کا اودھ پہنچنا اور نواب شجاع الدولہ کی ملازمت سے منسلک ہونا یقینی ہے، نواب موصوف نے ان کو نہایت اعزاز و اکرام سے اپنے یہاں رکھا اور

---

۱ صبح گلشن ص ۳۱۸ ۲ گلشن بے خار ص ۱۴۰ ۳ مخزن نکات ص ۴۲

نہایت بے تکلف ہو گئے۔ ایک روز اسی بے تکلفی میں انھوں نے گرم چلمے سے ان کا ہاتھ جلا دیا فغاں کو نواب کا یہ مذاق پسند نہ آیا اور ان کی صحبت سے کنارہ کش ہو گئے۔

مصحفی لکھتے ہیں:

درہماں نزدیکے روزے نواب وزیر دستش را در عالم اختلاط بہ فلس سوختند آب در دیدہ گردانید و ہیچ نہ گفت و آخر بہ ہمیں حرکت آزردہ شدہ بہ طرف عظیم آباد رفت[1]۔"

مگر محمد حسین آزاد کا بیان ہے کہ "ایک دن اختلاط میں ان کا کپڑا نواب کے ہاتھ سے جل گیا رنجیدہ ہو کر عظیم آباد چلے گئے وہاں جا کر اس سے زیادہ عزت پائی[2]" کپڑے جلنے کی روایت کسی تذکرہ میں میری نظر سے نہیں گزری مولانا عبدالحی نے بھی گل رعنا میں آزاد کے اس بیان کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "معلوم نہیں کپڑے جلنے کی روایت کہاں سے لی ہے۔ مصحفی نے ہاتھ جلنے کا ذکر کیا ہے اور یہی صحیح ہے[3]۔"

فغاں فیض آباد سے چلے تو عظیم آباد پہنچے یہاں راجہ شتاب رائے کا دربار علمی قدردانی اور فیاضی کے لیے مشہور تھا شتاب رائے نے فغاں کو اپنے یہاں بلا کر اپنے دربار کی زینت بڑھائی، صبح گلشن میں ہے،

"راجہ شتاب رائے ناظم صوبہ بہار بادصاف شپے پردہ بمنادمت خود ش کشیدہ[4]۔"

شتاب رائے مغلیہ حکمرانوں کا نمک خوار تھا اس لئے جذبۂ وفاداری میں اپنے ایک آقا کے رضاعی بھائی کی وہ پوری تعظیم و تکریم کی جس کے فغاں مستحق تھے

---

[1] تذکرہ ہندی ص ۱۹۰ [2] آب حیات ص ۱۱۳ [3] گل رعنا ص ۱۱۸ [4] صبح گلشن ص ۳۱۸

اس کے علاوہ وہ خود بہت ہی علم پرور اور ہنر دوست تھا فغاں کے کمال فراتی شیریں کلامی اور علم مجلسی کے سبب سے نہایت عزیز رکھنے لگا،

نواب علی حسن خاں صاحب اپنے تذکرہ میں لکھتے ہیں کہ یہیں فغاں کو راجہ شتاب رائے کی وساطت سے شاہ عالم کی طرف سے ظریف الملک کا خطاب ملا،

راجہ شتاب رائے . . . . از حضور شاہ عالم بادشاہ خطاب ظریف الملکی وچندے بہ بطریق التنخواہ وی دہانید از اں زماں اشرف علی خاں عظیم آباد را بتوطن برگزید[1] "

نواب صاحب کو لکھتے وقت شاید غلط فہمی ہوئی کیونکہ اوپر ہم مستند اور معاصر تذکرہ نویسوں کے بیان پڑھ چکے کہ یہ خطاب احمد شاہ نے دیا،

بعض تذکروں میں ہے کہ راجہ شتاب رائے کی قدردانی میں فغاں نے باقی عمر خوش حالی سے بسر کی، لیکن محمد حسین آزاد لکھتے ہیں کہ کچھ دنوں کے بعد فغاں کے تعلقات راجہ صاحب سے قائم نہ رہے، اس کی بنیاد یہ ہوئی کہ احمد شاہ درانی نے جو سلطنت پر حملے کئے ایک دن اس کی دست درازی اور بے اعتبار الیوں کا ذکر ہو رہا تھا، خدا جانے طنز سے یا سادہ مزاجی سے راجہ صاحب نے کہا کہ نواب صاحب ملک زمانی کو احمد شاہ درانی کیوں کہے گیا، انھیں یہ بات ناگوار ہوئی اور ہو کہ بولے کہ ہاں راج جس طرح سیتا جی کو راون لے گیا تھا اسی طرح وہ لے گیا اس دن سے دربار میں جانا چھوڑ دیا "[2]

آزاد کو معلوم نہیں یہ روایت کہاں سے ملی اس کے بعد آزاد کا بیان ہے کہ فغاں نے حکام فرنگ سے رسائی پیدا کی اور ان کے فیض سے باقی عمر فارغ البالی

---

[1] صبح گلشن ص ۳۱۰ [2] آب حیات ص ۱۱۵

اور خوش حالی میں گذاری، اس کی تائید مجموعۂ نغز کی مندرجۂ ذیل عبارت سے ہوتی ہے،

"بحسن سلیقہ کہ داشت بسرال فرنگ در ساخت و در ہماں نواح رشتۂ
زندگانی وے در گست و بجوار رحمت حق در پیوست"[۵۱]

گلشن ہند اور سخن شعرا میں فغاں کا سنہ وفات ۱۱۸۶ھ لکھا ہے مگر گلشن بیخار میں ۱۱۹۶ھ درج ہے، لیکن یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، آب حیات اور گل رعنا میں ۱۱۸۶ھ ہی ہے عظیم آباد میں مدفون ہیں، مدفن کی جگہ معلوم نہ ہو سکی،

فغاں کا مذہب

فغاں مذہباً شیعہ تھے، دیوان کا آغاز حضرت علیؓ کی مدح سے کیا ہے اس کے بعد حضرت امام علی موسیٰ رضا کی شان میں ایک قصیدہ کہا ہے، اس میں بھی حضرت علی سے اپنی محبت کا اظہار جا بجا کیا ہے مثلاً

پہنچا یو تو خاک فغاں کی ذرا صبا ‏ ‏ ‏ مشہد ہے جس طرف کو مرے بو تراب کا
مہر علی ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر ‏ ‏ ‏ توشے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کا

مگر فغاں ہر ملت کے لوگوں سے یکساں تعلقات رکھتے تھے، میر اپنی خودداری کے باوجود جو نخوت و غرور کی حد تک پہنچی ہوئی تھی ان کو بہت زیادہ پسند کرتے تھے وہ لکھتے ہیں "بندہ بخدمت او بسیار مربوطم"[۵۲]

میر کا فغاں سے گہرا ربط رکھنا ان کے اخلاق و ملنساری کی واضح دلیل ہے، علی ابراہیم نے بھی اپنے تذکرہ میں لکھا ہے، "با راقم آثم ربطے داشت"[۵۳]

میر حسن بھی لکھتے ہیں، کہ "خوش اختلاط بود با ہر کس خوش طبعی داشت"[۵۴]

انداز طبیعت

ان کے ملنے والے ان کی بذلہ سنجی، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی سے بہت لطف اٹھاتے تھے تذکرہ گلزار ابراہیم کے مصنف کا بیان ہے کہ

---

۵۱ مجموعۂ نغز ص ۲، حصہ دوم ۵۲ نکات الشعرا ص ۱۳۱ ۵۳ تذکرہ گلزار ابراہیم ص ۱۸۴ ۵۴ تذکرہ میر حسن ص ۱۲۲

آٹھ پہران کو خوش طبعی اور خوش اختلاطی سے کام تھا کوکے تھے احمد شاہ بادشاہ کے اور مربی گرمی ظرافت کی (سے) ندیم تھے جہاں پناہ کے چناں چہ ظریف الملک کوکے خاں بہادر حضور سے بادشاہ کے خطاب پایا تھا اور مرتبہ کو شوخی کے ساتھ لطیفہ سنجی کے بہت دور پہنچایا تھا[1]"

میر صاحب بھی رقم طراز ہیں کہ

طبع او مائل لطیفہ بسیار است' چناں چہ ناگر مل راکہ دیوان تن و خیل بادشاہ بہت گھی کی منڈی کا سانڈ گفت۔ ہرکہ دیدہ دیدہ باشد و فہمیدہ باشد۔ و حکیم معصوم را در در بار معلیٰ گاد گجراتی نام کردہ ہر کہ حکیم صاحب را ببیند وا ند[2]"

تمام تذکرہ نویسوں نے ان کی ظرافت اور خوش طبعی کا ذکر کیا ہے' سید فتح علی حسینی گردیزی لکھتے ہیں کہ

"وضع ظریفانہ دارد[3]"

چمنستان شعراء میں ہے: "واکثر گاہ چمنستان قلوب را از نسیم لطیفہ گوئی و ظرافت معطر می نمود[4]"

میر حسن کا بیان ہے کہ " از ہنگامہ آرایان زمان و ظرفائے دوران خوش طبع و شیریں بیان اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں کو کہ احمد شاہ بادشاہ غفران پناہ خاں ظریف طبع و خوش اختلاط بود' با ہر کس خوش طبعی داشت شاعر مربوط بطور خود لطائف و ظرائف او مشہور است[5]"

۱؎ گلشن ہند ص ۱۳۴ ۲؎ نکات الشعراء ص ۶۰ ۳؎ تذکرہ ریختہ گویاں ص ۱۲۱ ۴؎ چمنستان شعراء ص ۴۰، ازنجمی زبان تحقیق ص ۴۸۲
۵؎ تذکرہ میر حسن ص ۱۴۲

مجموعہ نغز میں ہے:

"نہایت باربا شش و خلیق ظریف الطبع مزاج سراسر سرور و بسرا بتہاج بود[1]"

نساخ نے بھی سخن شعرا میں لکھا ہے کہ بڑے ظریف تھے[2]، محمد حسین آزاد نے گل افشانی کی ہے کہ "ان کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ تیزی اور طراری کو ان کے مزاج سے وہ لگاؤ تھا جو بارود اور حرارت کو، لطیفہ گوئی اور حاضر جوابی زبان میں ایسی تھی جیسی تلوار میں جوہر۔" اس کے بعد ایک لطیفہ نقل کیا ہے جو اگرچہ بہت مشہور ہے لیکن محض ناظرین کے تفنن طبع کے لئے آزاد ہی کی زبان میں ہم انکو سناتے ہیں، فغاں نے ایک دن راجہ شتاب رائے کے دربار میں ایک غزل پڑھی جس کا قافیہ تھا لالیاں، جالیاں، سب سخن فہموں نے بہت تعریف کی، راجہ صاحب کی صحبت میں جگنو میاں ایک مسخرے تھے، ان کی زبان سے نکلا کہ نواب صاحب سب قافیے آپ نے باندھے، مگر تالیاں رہ گئیں، انھوں نے ٹال دیا اور کچھ جواب نہ دیا، راجہ صاحب نے خود فرمایا کہ نواب صاحب سنتے ہو؟ جگنو میاں کیا کہتے ہیں، انھوں نے کہا کہ مہاراج اس قافیہ کو مبتذل سمجھ کر چھوڑ دیا تھا اور حضور فرمائیں تو اب بھی ہو سکتا ہے، مہاراج نے کہا کہ ہاں کچھ کہنا تو چاہیے، انھوں نے اسی وقت پڑھا

جگنو میاں کی دم جو چمکتی ہے رات کو
سب دیکھ دیکھ اس کو بجاتے ہیں تالیاں

تمام دربار چہک اٹھا اور میاں جگنو مدھم ہو کر رہ گئے[3]"

نواب علی حسن خاں نے بھی اپنے تذکرہ صبح گلشن میں بذلہ سنجی کی تعریف

---

[1] مجموعہ نغز ص ۲، [2] سخن شعرا ص ۳۶۹ [3] آب حیات ص ۱۱۵

ان الفاظ میں کی ہے'

بسکہ مزاجش مزاح و ظرافت رائی پسند بداز کلام طبیعت انگیزا حدی

از عالی و اسافل ہمی ریختہ گوید، ہر گاہ مکانش بر نعمت و وسعت معمر

و مرتب گمردید و بزم نشاط چید[۵۱]"

اس بزم نشاط کا ایک لطیفہ نواب صاحب موصوف نے بھی نقل کیا ہے' جو ذرا غیر سنجیدہ ہے' اس لئے ہم اس کو نظر انداز کرتے ہیں'

فغاں کی ہجویں

شاعری کے میدان میں فغاں کی ظرافت اور بھی تیز بلکہ بہت زیادہ تیز ہو جاتی ہے' پیش نظر دیوان میں ان کی دس ہجویں ہیں جو انھوں نے وقتاً فوقتاً مختلف اشخاص کی کی ہیں' ان میں بعض تو ایسی ہیں جو اعتدال کی حد سے اتنی آگے بڑھ گئی ہیں کہ وہ فحاشی اور گالی گلوج کہی جا سکتی ہیں'

عام طور سے اردو میں ہجو گوئی کا معیار بہت ہی پست ہے' بلکہ یہ ادب اردو کے رخ گلگوں کا بہت ہی بدنما داغ ہے' ہجو گوئی کا مقصد اردو شعرا خصوصاً قدما کے یہاں وہ نہیں جو فرانس میں ربیلے' مولیر' والٹیر اور اناطول فرانس یا انگلستان میں ڈرائیڈن پوپ اور بائرن یا عرب میں قدامہ' ابی عمر بن العلا اور ابن رشیق کے یہاں ہے' بلکہ وہ ہے' جو ایرانی شاعری میں سوزنی' عبید زاکانی اور فتوحی کے یہاں ہے یعنی یہی کہ بغض و عناد یا تنفر میں ذاتی تضحیک و تذلیل' جوش انتقام میں سب و شتم' اور حسد میں طنز و تشنیع کرنا' عربی شعرا مثلاً ابن قدامہ اور ابن رشیق کے نزدیک جسمانی یا آبائی عیوب کا ذکر کرنا تہمت لگانا اور بد زبانی کرنا ہجو گوئی نہیں بلکہ گالی گلوج ہے اس لحاظ سے اردو کے قدیم ہجو گو شعرا کے یہاں صرف گالی گلوج بلکہ ایسی فحاشیاں ہیں جن کو پڑھ کر حیا کی گردن جھک جاتی ہے'

---

[۵۱] صبح گلشن ص ۳۱۹

ہجوگوئی کے مردِ میدان مرزا سودا ہیں، وہ طبعاً نہایت نازک مزاج واقع ہوئے تھے، پھر ان کی رگوں میں سپاہیانہ خون رواں تھا، اس دوآتشہ نے ان کی ظرافت اتنی تیز کردی تھی کہ ان کی ہجو میں متانت سنجیدگی اور سلامت روی کا کہیں پتہ باقی نہ رہا، ان کے یہاں پھبتیاں کہنا، کھلی کھلی گالیاں دینا، حسب ونسب کی دھجیاں اڑانا کوئی غیر معمولی بات نہیں، پھر معلوم نہیں سودا کا رنگ اس قدر کیوں جما کہ ان کے معاصرین میں جس کسی نے ہجو کی اسی انداز کو اختیار کیا اور رفتہ رفتہ ہجو کے معنی تعریض، تنقیص، تضحیک، تذلیل، سب دشتم، گالی گلوچ اور بےہودہ گوئی وغیرہ سب کچھ تصور کیا جانے لگا،

چناں چہ فغاں کے یہاں بھی یہ ساری خصوصیات موجود ہیں، مثلاً میر معصوم کی ہجو میں لکھتے ہیں:

ایک ہیں آشنا مرے مجہول! خود نا بود الفضول و نامعقول
یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے متبنیٰ ہیں خان دوراں کے
یا یہ شائستہ خاں کے پوتے ہیں خانخاناں کے ہوتے سوتے ہیں
یا کہ نانی تھی ان کی نورجہاں ان کا نانا تھا شیر افگن خاں

آبائی عیوب کا ذکر کرکے جسمانی نقائص کا ذکر کرتے ہیں،

سر کہاں ہے تو ہلاہی ہانڈی کا حلق جیسے گلا ہو ہانڈی کا
پھوٹیں آپس میں اس طرح رلیاں جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں
چشم تو ہی برنگ دیدۂ بوم نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم
کان پھیلے ہیں جوں پر شپرک ہے بنا گوش جوں سر شپرک
ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی جیسے چولہے پہ منیڈ کی بیٹھی

آگے پڑھتے پڑھتے تو آنکھیں بند کرلینی پڑتی ہیں دو ادوار ہجوؤں میں ابتذال رکاکت

اور فحاشی اس درجہ تک پہنچ گئی ہے کہ سودا کبھی ان کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں،

مگر اس زمانہ میں ہجو گوئی کا جو عام معیار ہے، اس لحاظ سے فغاں کی بعض ہجویں اعلیٰ معیار پہ پوری اترتی ہیں، دلی چھوڑ کر جب مرشد آباد چلے تو راستہ میں الہ آباد ٹھہرے وہاں کی سرزمین اور وہاں کے لوگوں سے خوش نہ ہوئے، جل کر ان کی ہجو لکھی جو خوب ہے

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے　　　عجب شہر بھونڈا دکھایا مجھے
یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ　　　مرا بس چلے آج دوں اس کو آگ
جہاں تک تری ہے وہاں بیل ہے　　　نظر آئی خشکی تو کھپریل ہے
لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا　　　کہ یہ تو ہے بیت الخلا دہر کا

. . . .　　　. . . . .

. . . .　　　. . . . .

لکھوں وضع کیا مردم شہر کی　　　کہ ہو جائے حرمت ابھی دہر کی
عجب دہر ہے جس میں یہ شہر ہے　　　مصیبت ہے زندان ہے قہر ہے
نکالے خدا اس بلا سے شتاب　　　نہ ہوگا جہنم میں اتنا عذاب
اگر ہوگا تو پار ہوں گے کبھی　　　وہاں پیر سے ہم خدا سے ہوں گے کبھی
وہ پہنچیں گے آخر سے درد کو　　　دکھاؤں گا اپنے رخ زرد کو
کہوں گا کہ میں عاشق زار ہوں　　　مری داد دینا گرفتار ہوں

وہاں کے ارباب علم و اصحاب کمال کی جو خبر لی ہے وہ ملاحظہ ہو:

یونہی ٹہلتے ٹہلتے یہ آیا خیال　　　بھلا دیکھیے یہاں کے صاحب کمال
انھیں شاعری میں ہے کتنا شعور　　　کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور
پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے　　　زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

وہاں کے پیر مرشد اور شاعر کامل شاہ عبدالرحمان الہ آبادی کی جو درگت بنائی ہے وہ بھی

سن لیجئے۔

اگر کوئی جا ان کو دشنام دے — کہیں تجھ کو اللہ آرام دے
کہیں آپ کو مرشد کائنات — تبرک ہے یہاں میر صاحب کی ذات

شاہ صاحب شاعری ہیں جو درک رکھتے ہیں پہلے ان ہی کی زبان سے سنئے :

سنو جس کی پھولی گلستاں ہے — وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہے
نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو — اسے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دست سخا — تو میں بھی تو رکھتا ہوں دست دعا

اب اس کے آگے سنئے :-

کئی شعر ہیں یاد استاد کے — تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضمون ہیں — تب ہی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمائیے — نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار — کہ تا شاہدی دیویں اہل جوار
کریما بہ بخشائے برحال ما — کہ ہستم اسیر کمند ہوا
کبھی کاٹ کا ایک تکہ بنا — پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے بجا
الٰہی بہ اعزاز آن پنجتن — کہ ہستند فخر زمین و زمن

مگر فغاں کا اصلی شاعرانہ کمال ان کی غزلوں سے ظاہر ہے عمر میں تو وہ میر، سودا اور درد سے چھوٹے تھے لیکن موجودہ دور کے بعض ارباب نظر نے ان کا شمار شعرائے متقدمین میں کیا ہے آزاد نے ان کو اردو شاعری کے دور دوم میں رکھا ہے جس میں حاتم اور سراج الدین خاں آرزو ہیں اور مولانا عبدالحی نے قدما کے دور سوم میں شامل کیا ہے جس میں شاہ مبارک آبرو، شیخ شرف الدین مضمون، میر محمد شاکر ناجی، محمد حسین

کلیم اور مصطفےٰ خاں یک رنگ وغیرہ ہیں مگر قیام الدین قائم نے فغاں کو اپنے مجوزہ طبقہ سوم میں یعنی مظہر جانجاناں، میر تقی میر، مرزا رفیع سودا، میر سوز اور انعام اللہ خاں یقین وغیرہ کے ساتھ رکھا ہے اور یہی صحیح تقسیم ہے کیونکہ پیش نظر دیوان میں بعض خصوصیات ایسی پائی جاتی ہیں جن کی بنا پر ان کو متقدمین کے بجائے شعرائے متوسطین کے دور اول کی صف میں جگہ دینی چاہیے، موخرالذکر دور کے شعراء کے کارنامے یہ ہیں کہ انھوں نے ایہام گوئی کو چھوڑ کر زبان کی صفائی اور صحت کی کوشش کی، فارسی کی دلپذیر ترکیبیں اور پسندیدہ محاورے اردو میں رائج کیے، الفاظ کی بندشوں کو چست اور لطیف بنایا اور پرانے عاشقانہ مضامین کو روزمرہ بول چال میں خوبصورتی سے ادا کیا اور یہ تمام باتیں فغاں کے یہاں موجود ہیں،

فغاں کا موجودہ دیوان تو ایہام گویوں کے خلاف سراسر جہاد ہے، ایہام گوئی کے خلاف سب سے پہلے مرزا مظہر جانجاناں نے علم بغاوت بلند کر کے اس خس و خاشاک سے اردو شاعری کو پاک کیا" لیکن مرزا مظہر اردو میں اشعار کہنا اپنے لیے طرۂ امتیاز نہ سمجھتے تھے، اس لیے اردو شاعری کو واقعتہً جس نے ایہام گوئی کی برائیوں سے صاف کیا وہ ان کے شاگرد رشید انعام اللہ خاں یقین تھے، فغاں مرزا مظہر سے تو بہت چھوٹے لیکن یقین کے ہم عمر تھے اب معلوم نہیں فغاں نے مرزا مظہر کے زیر اثر ہو کر یا یقین کی تقلید میں یا اپنی طبیعت کی اُپج سے ایہام گوئی کی صنعت چھوڑی، مگر کسی کی تقلید میں شعر کہنا وہ اپنے لیے ننگ سمجھتے تھے وہ خود کہہ گئے ہیں،

کیوں کریں غیر کے مضمون کو فغاں ہم موزوں — تازگی ہوئے سخن میں یہ کمال اپنا ہے

بہرحال حقیقت جو کچھ ہو لیکن یہ امر واقعہ ہے کہ جس زمانہ میں یقین ریختہ گوئی کو ایہام گوئی سے پاک کر رہے تھے اسی زمانہ میں فغاں نے بھی اس

صنعت سے بہت زیادہ احتراز کیا ہے، چنانچہ بقول مخدومی مولانا عبدالسلام ندوی وہ مصلحین اردو شاعری کی صف اول میں جگہ پانے کے قابل ہیں"[۱]

جہاں تک زبان کی صفائی اور صحت کا تعلق ہے فغاں نے وہی زبان استعمال کی ہے جو مرزا مظہر، سودا، میر اور درد کے یہاں ہے، قدما کے الفاظ ان کے یہاں نہیں ملتے ہیں اور جو متروکات سودا اور میر کے یہاں بکثرت استعمال ہوتے ہیں فغاں کے یہاں مشکل سے کہیں کہیں ملیں گے، پورے دیوان میں صرف کسو نت، جون، سان اور تک چند بار استعمال ہوئے ہیں،

البتہ ولی کی طرح[۲] "تئیں" کا استعمال جابجا کیا ہے، بلکہ دو غزلیں تو اسی ردیف میں لکھی ہیں، جن کے بعض اشعار یہ ہیں،

شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند — نزدیک ہے کہ آگ لگے آسماں کے تئیں
خلوت میں وہ ہے جام ہے مطرب ہے اور سرا — یہ دن خدا دکھاوے ہمارے فغاں کے تئیں
مے نہیں مینا نہیں ساغر نہیں ساقی نہیں — جی میں آتا ہے لگادوں آگ میخانے کے تئیں

اسی طرح ایک قطعہ ہے جس میں جالیاں، کالیاں، اور نکالیاں جیسے الفاظ قدما کی یاد تازہ کرتے ہیں[۳]،

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے — جینے لگا وہ شوخ مراتب جالیا
ایذا ہر ایک طرح سے دیتے غرض مجھے — کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں

۱؎ معارف جلد ۹ نمبر ۲،

۲؎ ولی کا ایک مقطع ہے،

پیدا ہوا ہے جگ میں ولی صاحب سخن — میری طرف سوں جا کے کہو انوری کے تئیں

۳؎ حاتم کا ایک مطلع ہے،

جب سے تیری ادائیں عالم کو بھائیاں ہیں — تب سے جہاں میں تونے دھومیں مچائیاں ہیں

ہم نے شب فراق میں سنتا ہے اے فغاں — کیا خاک سو کے حسرتیں دل کی نکالیاں
یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے روز وصل — آنکھیں جو کھل گئیں وہیں یہ آتیں نکالیاں

مگر یہ الفاظ متوسطین کے دور اول میں متروک نہیں ہوئے تھے، بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورۂ بالا دونوں ردیف اور قافیے اس زمانہ میں بہت ہی پسند یدہ تھے، میر[۱]، سودا[۲]، یقین[۳]، اور بیدار[۴] نے بھی اس ردیف اور قافیے میں غزلیں لکھی ہیں،

فغاں نے فعل امر کے استعمال میں قدما ہی کی روش پسند کی ہے اور یہ چیز شعرائے متوسطین کے دور سوم تک جاری رہی اس کے علاوہ یہ لفظ فغاں کی غزلوں میں ایسے موزوں ہیں کہ موجودہ مذاق کے مطابق بھی ان میں قبح کے بجائے حسن پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

خط دیجیو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں
باد صبا تو عقدہ کشا اس کی ہوجیو — مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں
اتنا ہجوم خوش نہیں آتا ہے اشک کا — عالم کو مت ڈبو ئیو اے چشم تر کہیں
مجھ سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو — اس خانماں خراب کو آباد کیجیو

---

۱ میر: مدت ہوئی کہ اپنی خبر کچھ ہمیں نہیں — کیا جانیے کہ میر گئے ہم کدھر کے تئیں
کیا جانتے تھے ایسے دن آجائیں گے شتاب — روتے گزرنیاں ہیں راتیں ساریاں

۲ سودا: جب لبوں پر یار کے مسی کی دھڑیا دیکھیاں — جوں زحل کی ساعتیں اس دل پہ کڑیاں دیکھیاں

۳ یقین: کم نہیں ہم بوجھتے کعبے میخانہ کے تئیں — سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے کے تئیں
گالیاں بھی پی گئے ہیں، ماریں بھی کھائیاں ہیں — ہم نے تری جفائیں کیا کیا اٹھائیاں ہیں

۴ بیدار: جانیں مشتاقوں کی لب تک آئیاں — بل بے ظالم تری بے پروائیاں
یارب جو خار غم ہیں جلا دے انھوں کے تئیں — جو غنچہ طرب میں کھلا دے انھوں کے تئیں

اس باغباں کو میری اسیری کا کیا الم ۔ اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو

پھر اس قسم کے متروکات فغاں کے یہاں بہت ہی کم ہیں، عام طور سے دیوان شروع سے آخر تک سلاست اور فصاحت سے بھرا ہوا ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے ہم عصر شعرا میں بہت ممتاز ہیں ان کے معاصر انعام اللہ خاں یقین کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے ریختہ کو بہت ہی شستہ بنایا مصحفی یقین کے بارے میں لکھتے ہیں،

در دورۂ ایہام گویاں اول کسے کہ ریختہ را شستہ و رفتہ گفتہ این
جواں بود بعد ازاں تتبعش بہ دیگراں رسید ۔" (ص ۲۷۵)

اسی طرح یقین کے ذکر میں تذکرہ فتح علی میں ہے،

بے اغراق ریختہ گوئی بر طاق بلند گذاشتہ و تخم معنی در زمین سخن کاشتہ (ص ۱۴۶)

صاحب گل رعنا بھی اپنی خوش عقیدگی کے جوش میں رقم طراز ہیں کہ اگر یقین جیتے رہتے، تو میر ہوں یا مرزا ہوں، کسی کا چراغ ان کے سامنے نہیں جل سکتا تھا،

مگر ان خوبیوں کے باوجود یقین کے یہاں بعض الفاظ ایسے استعمال ہوئے ہیں جو اس زمانہ میں متروک ہو چکے تھے، مثلاً جگہ کے بجائے جاگہ[۵۱]، رکھنا کے بجائے راکھنا[۵۲]۔ لگنا کے بجائے لاگنا[۵۳]، سے کے بجائے ستی اور سیتی[۵۴]، جلنا کے بجائے

---

۵۱ تیری جاگہ اگر پتھر بھی ہوتا آب ہو جاتا ۔ پھٹی چھاتی کو میری دیکھ کر جو طور رو دیتا

۵۲ کسی کا کبھو راکھا کرو دل تم کو لازم ہے ۔ وگرنہ دلربا ؤں کا لقب دلدار کیوں ہوتا

۵۳ رہ نہ سکا سے لاگے ہے پروانہ کے جیسے تن کو آگ ۔ لگیو اے فانوس ایسی تیرے پیراہن کو آگ

۵۴ منہ پھیر نہ نالہ سے آنسو سے نہ موڑ آنکھیں ۔ اتنا بھی یقیں مت ہو اپنے سستی بیگانہ
ہاتھ سیتی جا چکا جب یار تب آئی بہار ۔ پی کے تنہا کوئی دھوئیں مچا دے کس طرح

جیوڑنا[۵۱]، جاننا کے بجائے بوجھنا[۵۲]۔ ادھر کے بجائے ایدھر[۵۳] اور کدھر کے بجائے کیدھر[۵۴] استعمال کیے گئے ہیں، اس کے برخلاف فغاں کے یہاں یہ متروکات بالکل نہیں پائے جاتے اگر ان کے دیوان پر نظر ڈالی جائے تو متروکات کی جگہ نئے ترشے ہوئے الفاظ ملیں گے

فغاں نے قلعۂ معلیٰ کی چہار دیواری میں پرورش پائی تھی اس لیے فطری طور پر ان کی زبان میں اردوے معلیٰ کی گھلاوٹ ہے اور اس لحاظ سے وہ اپنے تمام معاصرین میں ممتاز ہیں یقین کی ایک مشہور غزل ہے

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — اپنا ہی تو فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہماری لاش کی تشہیر ہے ضرور — آئندہ تا کوئی نہ کسو سے وفا کرے
جو کوئی عرض حال کرے تجھ ستی مرا — اول بیان واقعۂ کربلا کرے
خلوت ہو اور شراب ہو معشوق سامنے — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

---

۵۱ عشق کے بھی کارخانے کی عدالت دیکھ لی — بوالہوس جیوے مریں ہم لے محبت واہ واہ
۵۲ کم نہیں ہم بیٹھتے کعبہ سے میخانے تئیں — سجدہ ہم کرتے ہیں جوں محراب پیمانے تئیں
۵۳ دلوں پہ برق سی گرتی تھی جب ہم نالہ کرتے تھے — گئیں کیدھر نہیں معلوم ان آہوں کو تاثیریں
۵۴ فغاں کے یہاں "سے" "کے بجائے" "ستی" صرف ایک دو جگہ استعمال ہوا ہے

واہوا گر کبھی میرا محبوب مجھ ستی — اٹھ جاویں درمیان سے پردے حجاب کے

محمد حسین آزاد نے آب حیات (ص ۱۱۱) میں "پالیاں" "چالیاں" کے قافیے والی جو غزل نقل کی ہے اس میں ایک جگہ "سے" "کے" بجائے "ستی" ہے لیکن میرے پیش نظر قلمی نسخہ میں "سے" ہی ہے،

ہونا ہی خاک راہ وفا ہے گماں یقیں
ہے دل میں یہ کہ شرط محبت ادا کرے[51]

فغاں نے بحر بدل کر اسی قافیہ اور ردیف میں جو طبع آزمائی کی ہے وہ بھی ملاحظہ ہو :

یار اگر جفا کرے چاہیے دل وفا کرے
یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے

یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی
جیب و کنار تر رہی خون جگر بہا کرے

کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو
کاش یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے

جو کوئی عشق باز ہو چاہیے وہ گداز ہو
شعلۂ دل فراز ہو شمع صفت جلا کرے

تو تو فغاں ہے پھر دیے پالتے ہیں تجھے ہی لطف سے
کوئی جیے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

یقین کا شاعرانہ کمال اپنی جگہ پہ لیکن زبان کی جو صفائی اور روانی فغاں کے یہاں ہے وہ یقین کے ہاں نہیں، دونوں کے ملتے جلتے مضامین کے کچھ منفرد اشعار بھی ملاحظہ ہوں ؛

یقین بہار آئی ہے کیا کیا چاک جیب پیرہن کرتے
جو ہم بھی چھوٹ جاتے اب تو کیا دیوانہ پن کرتے

فغاں بہار آئی مرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے
مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں

یقین آنکھ سے نکلے ہے آنسو کا خدا حافظ یقین
گھر سے جو باہر گیا لڑکا سو ابتر ہو گیا

---

۵۱ اس غزل کا پہلا، دوسرا اور چوتھا شعر سودا کی طرف بھی منسوب ہے دیکھو کلیات سودا ص ۴۰۰ نول کشور پریس لکھنؤ، خان بہادر محمد شفیع (لاہور) کے نسخے میں اس قافیہ اور ردیف کے ساتھ فغاں کی ایک اور غزل ہے جو شاید ان کو خود پسند نہ ہوئی۔ اس کے بعض اشعار یقین اور سودا سے ملتے جلتے ہیں مثلاً

بدلہ ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے
تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے

قاتل ہمارے نفس کو ٹھہرے ہے ضرور
آئندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے

گر ہو شراب و خلوت و معشوق خوبرو
زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے

فغاںؔ: مجھ سے ہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک — لخت جگر کو گود میں جب تک کہ بھر نہ لے

یقیںؔ: آپ سے جب تک نہ تھا واقف کہاں تھا یہ شکوہ — دیکھتے ہی آئینہ میں منہ سکندر ہو گیا

فغاںؔ: دل میں فغاں کے ہم نے عکس دوئی نہ دیکھا — آئینہ سکندر گیا اس کے روبرو ہو

اس زمانہ کے عام مذاق کے مطابق یقینؔ کے کلام میں بعض جگہ تعقید[۵۱]، عجیب وغریب ترکیب[۵۲] اور قافیے میں ناہمواری[۵۳] بھی پائی جاتی ہے، لیکن فغاںؔ کا دیوان ان معائب سے پاک ہے، البتہ "نے" کے استعمال میں فغاںؔ نے قدیم نحوی طریقہ اختیار کیا ہے، جس سے موجودہ ذوق کے مطابق زبان میں کچھ ثقل پیدا ہو گیا ہے، مثلاً

اے شیخ میں کل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو — اس وقت خدائی سے بھی بیزار بیٹھا ہوں

ایک جگہ "انھوں" کے استعمال میں بھی ثقل پیدا ہو گیا ہے

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کرتا ہوں عرض — بارے تو ان کی غلط ہے یہ انھوں کا ہے شعار

لیکن ان ایک دو باتوں کو نظرانداز کر دیجیے، تو پھر زبان میں روانی اور صفائی اس قدر پائی جاتی ہے کہ بعض غزلوں پر بقول استاذی مولانا عبدالسلام ندوی، داغؔ کے کلام کا دھوکا ہوتا ہے، مثلاً

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے — آ مرے دل کے خریدار کہاں جاتا ہے

کج کلہ تیغ بکف چیں بہ جبیں بے باک — یا الٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہے

---

۵۱ مثلاً: کہاں سکتے ہیں چڑھ منہ پہ بتاں ناز و تمکیں کے — کہ ہیں ہم صبر کے بے خرچ مفلس میں لئے دیں کے

۵۲ ": شکن تشاق دل میرا ہوا ہے سخت سودائی — جہاں یہ دیکھتا ہے سنگ ہاں کرتا ہے بینائی

۵۳ زور، شور کے قافیہ کے ساتھ بچوڑ اور گروڑ بھی استعمال کیا ہے، دیکھو دیوان یقینؔ ص ۱۶ انجمن ترقی اردو

ساغر ہو اور مینا، صہبا ہو اور سبو ہو — جم جم رہے یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو
منظور عشق یہ ہے عشاق پا شکستہ — محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو
اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے — آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے
ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب — کھلتی نہیں ہے چشم تو مارے خمار کے
ظالم تجھے قسم ہے جو اس کو جلا نہ دے — یہ دل کبھی دل نہ ہوئے جو تجھ کو دعا نہ دے
تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہائے فغاں — الفت بری بلا ہے، کسی کو خدا نہ دے

فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح بعض ترکیبیں تو بہت سبک دلپذیر اور دلکش ہیں، مثلاً کاروان اشک، طفل اشک، دامن صحرا، داغ جنون، خاکپائے، چراغ آتش کدۂ دل، تشنۂ عشق، گرفتۂ دل، صف مژگاں وغیرہ مگر کہیں کہیں موجودہ ذوق کے مطابق گراں ہو گئی ہیں، مثلاً

برنگ طائر بسمل موئے یہ کشتۂ عشق — کسی نے غم نہ کیا خاک و خوں طپیدوں کا
دہن کو دیکھ تیرے ہونٹ چاٹتے رہ گیے — بھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

ایسی ترکیبیں اس زمانہ کے شعرا کے یہاں عام ہیں، اس کا سبب یہ ہے کہ اس دور میں اردو شاعری کو اس قابل بنایا جا رہا تھا کہ اس کے ذریعہ سے خیالات، جذبات اور احساسات کا اظہار اچھی طرح ہو۔ فارسی سامنے تھی اس لیے اس زبان کی ترکیبیں اور محاورے بکثرت منتقل کیے جانے لگے ان میں سے اکثر تو اردو شاعری کے رخ زیبا کی زینت بن گئے، لیکن بعض کھپ نہ سکے، انہی میں فغاں کی مذکورۂ بالا ترکیبیں ہیں، اسی طرح فارسی محاورات کو اردو میں رائج کرنے کی کوشش میں ایک جگہ ایسا محاورہ بھی استعمال ہو گیا ہے جو آج غیر فصیح معلوم ہوتا ہے،

یار یہ باد تو دیتا ہے مرے خون کو لیک — نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

فغاں نے فارسی کے محاورہ بر باد دادن سے برباد دینا استعمال کرنے کی کوشش کی، لیکن اردو میں برباد کرنا رائج ہوا مگر اس قسم کے محاورے شاید ایک آدھ ہی ہیں ورنہ عام طور سے تمام محاورات موجودہ مذاق کے مطابق ہیں،

الفاظ کی بندش فغاں کے یہاں شعرائے متوسطین کی طرح الفاظ کی بندش بھی چست اور لطیف ہے، مثلاً

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے — چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے
لخت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک — گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے
رسوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے — اس داغ دار دل کو پھروں میں کہاں لیے
واہوں بہ رنگ گل جو سخنداں ملے کہیں — غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے
اس قافلے کے بیچ صدائے جرس نہیں — جاتی ہے سیل اشک عجب کارواں لیے
کیونکر کوئی زیارت زخم جگر کرے — پردے اٹھے نہیں ہیں دل داغ دار کے
طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم — یہ نہ ہووے کہ مرا آبلۂ دل بھی پھوٹے
کردیا وقف مرے کلبۂ احزاں کو فغاں — خوان یغما کے جو معنی ہیں جو چاہے لوٹے

بندش پر ردیف کے اثر کی مثال ملاحظہ ہو:

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہے تو یہ ہے — گر زشت ہے تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے
پردہ اگر دوئی کا اٹھ جائے تو دکھا دوں — معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہے تو یہ ہے
اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا — ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہے تو یہ ہے
لخت جگر فغاں نے اپنا نامہ کیا ہے — پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

الفاظ کی بندش کی چستی سے کہیں کہیں بقول مولانا عبدالسلام صاحب ندوی کلام میں موسیقیت اور کہیں کہیں تشابہ پیدا ہو گیا ہے پہلے موسیقیت کی

مثالیں ملاحظہ ہوں :

نے شعلہ و نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں　　میں عاشق دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں
زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک　　میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں

قاتل کے دم تیغ سے یہ بوالعجبی ہے　　بسمل کی زباں پہ طپش تشنہ لبی ہے
آنکھیں ترے پاؤں سے لگیں علین ستاد　　دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہے

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا　　چھوٹے نہ اس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک　　تر اس قدر ہے کا ہے کو دامن سحاب کا

اس دل کو الٰہی کیوں آسیب نہ پہنچے　　میں ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشہ میں پری ہے
صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنا دے　　دل توڑنا یہ کون سی شیشہ گری ہے
ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں　　اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے
کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو　　بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

اس کے بعد تشابہ کی مثالیں ملاحظہ ہوں ،

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہہ نہیں سکتا　　رہوں تو رہ سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا
یہ موج اشک میری صورت زنجیر کھنچی ہے　　چلوں تو چل نہیں سکتا بہوں تو بہہ نہیں سکتا

تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی تھی　　مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر رات رونا تھا

تجھ سے رقیب ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت　　ہم یوں رہیں ترستے یہ بھی خدا کی قدرت

دل دوں میں روتے روتے یہ بھی نصیب میر   جی لے تو ہنستے ہنستے یہ بھی خدا کی قدرت

فغاں کے الفاظ کی بندش کی داد موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی دی ہے، محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "ان کے الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے، مولانا عبدالسلام ندوی رقم طراز ہیں کہ ان کی بندش کی چستی ان کی زبان کی سلاست اور روانی کو اور دو بالا کر دیتی ہے پھر لکھتے ہیں کہ بندش کی چستی نے بعض جگہ فغاں کی ترکیبوں میں نہایت تناسب اور توازن پیدا کر دیا ہے اس لئے کلام میں روانی کے ساتھ موسیقیت بھی پیدا ہو گئی ہے جو کانوں کو نہایت خوش آیند معلوم ہوتی ہے"

بقول مصنف گل رعنا متوسطین شعراء کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ "جو عاشقانہ مضامین غزلوں میں بہت پہلے سے بندھتے چلے آتے تھے ان کو بہ تبدیلی الفاظ اور بتغیر اسالیب معمولی بول چال اور روزمرہ میں خوبصورتی سے ادا کیا ہے کہ بار بار پڑھیے اور مزے لیجئے"۔ یہ خصوصیت فغاں کے یہاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہے پیش نظر دیوان کی تمام غزلیں اس کی بین مثالیں ہیں، فغاں کی شاعری میں مضامین کی بلندی یا خیالات کی ندرت نہیں بلکہ اس میں عشق و عاشقی کے وہی پرانے قصے ہیں جن میں صرف زبان کی صفائی کا لطف ہے اس کا اندازہ ناظرین ان کے اشعار سے کر سکتے ہیں،

فغاں کے قطعات فغاں نے کثرت سے قطعات بھی لکھے ہیں عام طور سے قطعہ میں کوئی حکیمانہ خیال یا اخلاقی سبق ہوتا ہے، لیکن شعرائے متقدمین و متوسطین نے بعض قطعوں میں کسی مرکب خیال کو ظاہر کیا ہے اور رنگ تغزل ہی کا قائم رکھا ہے اس لیے یہ قطعات گویا مسلسل غزلوں کا مجموعہ ہی ہو گیے ہیں، فغاں کے قطعات بھی اسی رنگ کے ہیں، ان کے

قطعات میں حکمت و اخلاق کے مسائل اور پند و نصائح کے مضامین نہیں بلکہ عاشق کی ناکامی، بے چارگی اور معشوق کی بے دردی، ولاپروائی اور بے اعتنائی کی داستان ہے، لیکن ان میں بعض ایسی سچی تصویریں ہیں کہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ فغاں کے خود قلبی تاثرات اور ذاتی واردات ہیں،

ایک عاشق کی زبوں حالی ملاحظہ ہو،

وقت بہار مجھ دل شیدا کا اے فغاں — یہ تھا شعار دشت کو ہر سال دیکھنا
اس سال مجھ کو دیکھ غزالاں نے یوں کہا — منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا
جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشیں ہے بید — مجنوں کے خاک پر وہ کھلے بال دیکھنا

شب فرقت کی جاگنداری دیکھئے

سوئے شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ ہے خیال محض وہ بیدار ہی رہا
کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک — تکتا ہوا سا در و دیوار ہی رہا

اس خیال کو ایک دوسرے قطعہ میں اس طرح باندھا ہے

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو — کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کر سو سکا

بعض جگہ یہی مضامین سوز و غم کی ہو بہو تصویر بن گئے ہیں،

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں — خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں ہی گذر گئی — دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

پھر اس قطعہ میں معشوق کی جفا اور عاشق کی حسرت دیاس کا کیسا موثر بیان ہے،

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں کہوں — انصاف کو نہ چھوڑ مروت اگر گئی
آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا — وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت کدھر گئی
مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے — یوں بھی گذر گئی مری دوں بھی گذر گئی

ایک جگہ دنیا کی بے ثباتی کا نقشہ بھی کھینچا ہے،

خون دل غریب کو پیتا ہوں ہر سحر — لخت جگر تو آذوقۂ شام ہو گیا
اپنی کہو اے ہم سفران رہ عدم — میرا تو ہر طرح سے سر انجام ہو گیا
کیوں کر شفا نہ ہو دل بیمار کو فغاں — یہ اشک چشم روغن بادام ہو گیا

ایک جگہ صوفیانہ مضمون بھی ہے، مثلاً

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا — کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور — تیری تسبیح غلط ہے تیرا زنار عبث

رباعیات فغاں کی رباعیات میں بھی وہی عاشقانہ مضامین ہیں جو ان کے جذبات کی پختگی اور قادر الکلامی کی واضح مثالیں ہیں، ان میں سے ایک دو ملاحظہ ہوں،

ہم وہ نہیں جو دل میں سہتے رہتے — مژگاں میں در اشک پروتے رہتے
ہے خندۂ یار کیا ہی گریہ میں مزا — ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

اے دل آرام تجھ کو ہو نا معلوم — درد شب ہجر جی سے کھو نا معلوم
اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ — رونا تو نصیب میں ہے سونا معلوم

فغاں اور ان کے معاصرین اوپر کی سطروں میں ہم نے فغاں کی شاعری کی توصیف اس لئے نہیں کی ہے کہ ہم کو ان کا دیوان ناظرین کے سامنے پیش کرنا ہے بلکہ یہ محض ان کے کمال کا اعتراف ہے جس کی داد فغاں کے معاصرین اور بعد کے ناقدین نے دل کھول کر دی ہے۔ میر سے خراج تحسین حاصل کرنا کوئی معمولی بات نہ تھی، یقین جیسے "باکمال شاعر" کے بارے میں میر لکھتے ہیں :

" بعد از ملاقات این قدر خود معلوم شد کہ ذائقۂ شعر فہمی مطلق ندارد
چشمے بر این اتفاق دارند کہ شاعری او خالص از نقص نیست [1] "

لیکن فغاں کے ذکر میں رقم طراز ہیں کہ
بسیار جوان قابل و ہنگامہ آرا، شعر ریختہ را بخوبی می گوید گاہے فکر
غزل فارسی ہم می کند [2] "

فغاں کے مندرجہ ذیل دو شعر میر صاحب کو بہت پسند آئے ہیں [3]

ساقی نہیں یاں آپ سے کچھ چشم تر آیا   دل دیکھتے ہی ابر کے ناچار بھر آیا
آوارہ و پریشاں و شکستہ دل و بدنام   سنتے تھے فغاں جس کو آج ہی نظر آیا

میر کا فغاں کو پسند کرنا ایک لحاظ سے فطری تھا، کیونکہ بعض جگہ ظاہری اور معنوی حیثیت سے فغاں کا کلام میر سے بالکل ملتا جلتا ہے، مثلاً

رونا جہاں تلک تھا میری جان رو چکا   مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں
باور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے   آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

بہار آئی میرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے   مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
لب خنداں کو میری دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے   میں ہنس ہنس عمر کو گل کی روش برباد کرتا ہوں

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں   خانہ خراب عشق نے دنیا سے کھو دیا
اس کی وصال و ہجر میں یوں ہی گزر گئی   دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

---

[1] نکات الشعرا ص ۱۴۳ [2] ایضاً ص [3] نکات الشعرا (قلمی) پیش نظر دیوان میں یہ دو شعر اس طرح درج ہیں،

مے واسطے ساقی نہیں آپ چشم تر آیا   دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
حیران و پریشان و دل افگار و دیوانہ چاک   سنتے تھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا　　　لیکن مرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا
پہنچا گئے مجھے تیرے در تک یہ سیل اشک　　　اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

مندرجہ بالا اشعار میں میر کی زبان اور سوز و گداز کا کتنا صحیح مرقع ہے،
مرزا سودا بھی فغاں کے بہت ہی معتقد تھے، مجموعہ نغز میں ہے کہ
"مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستایش دیوانش کرد۔"
فغاں نے اپنے ساتھ سودا کی عقیدت مندی کا اعتراف خود کیا ہے،

فغاں کون اب خریدار سخن تھا　　　اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

سودا نے اپنے جوش عقیدت میں فغاں کے قطعات پر قطعات لکھے اور ایک ایک شعر پر لمبے لمبے قطعات لکھے ہیں، مثلاً فغاں کے ایک قطعہ کا ایک شعر ہے،

شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا　　　تیری کب آستین مرے لوہو سے بھر گئی

اس پر سودا نے جو قطعہ لکھا ہے وہ گو ذرا طویل ہے لیکن دلچسپ ہے اس لیے ہدیہ ناظرین ہے،

سودا فغاں کو خط یہ لکھا اس کے یار نے　　　جس وقت اس کے حال کی اس کو خبر ہوئی
سن لے فغاں جہاں میں عاشق جو ہو گیا　　　معشوق سے اسے روش اس کی گذر گئی
شیریں نے جو رکب نہ کیا کوہ کن کے ساتھ　　　مجنوں پہ کیا جفا تھا کہ لیلےٰ نہ کر گئی
گل ہی پڑے سسکتے تھے بلبل چمن کے بیچ　　　ذرہ نہ اس کے حال پہ گل کی نظر گئی
پروانہ رات شمع سے اتنی جلی کہ صبح　　　خاکستر اس کی لے کے صبا دوش پر گئی
میں تازہ کچھ کیا ہے کہ بدنامی کو مرے　　　آواز آہ و نالہ ترے گھر پہ گھر گئی
حرمت رکھی نہ رعد کی فریاد نے تری　　　رونے سے تیرے ابر کے ابر تر گئی
لوہو سے تیرے سر کے ہے دیوار گھر کی سرخ　　　آنکھوں سے موج خون کی بیرون در گئی
دل کو ترے نہیں ہے اگر تاب درد ہجر　　　لو کار عشق سے تو مرے لال کر گئی

القصہ خط کو پڑھ کے یہ اس نے کہا کہ خیر — تیرے ہی دل کی مہر نہ جانوں کدھر گئی
شیریں کی ایک میں نہ رکھوں ورنہ یار ہا — لیلےٰ جدھر کھنچی وادیِ مجنوں ادھر گئی
یاں تک تو گھٹ میں لیلیٰ کے مجنوں سما گیا — اس اتحاد سے انھیں باہم بسر گئی
جاری ہوا تھا خوں رگ مجنوں سے وقت فصد — لیلےٰ کے پوست پاس اگر نیشتر گئی
ظالم کرے ور گل کا گریباں ہوا ہے چاک — اک عندلیب گر اجل اپنے سے مر گئی
پروانہ کو بسا نہ جلا شام کو شمع — روتی ہوئی نہ بزم سے وقت سحر گئی
یہ گفتگو تو قطع نظر اس سے مجھ کو کیا — مجھ سے جفائے ہجر کی طاقت کدھر گئی
میرے لہو سے میری در و دیوار گھر کی سرخ — میری ہی موج خوں میری بیرون در گئی

شکوا تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا
تیری کب آستین مرے لہو سے بھر گئی

فغاں کا ایک دوسرا قطعہ ہے

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو — کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

اسی کی تقلید میں سودا نے بھی ایک قطعہ لکھا ہے

اے دیدۂ خانماں تو ہمارا ڈبو سکا — لیکن غبار یار کے دل سے نہ دھو سکا
تجھ حسن نے دیا نہ کبھی ہجر میں چین — فتنہ نہ تیرے دور میں پھر نیند سو سکا
جوں شمع تن ہوا شب ہجراں میں صرف اشک — پر جس قدر میں چاہے تھا اتنا نہ رو سکا
سودا قمار عشق میں شیریں سے کوہکن — بازی اگرچہ پا نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے پھر تو آپ کو کہتا ہے عشق باز — اے روسیاہ تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

فغاں کی ایک غزل کا مطلع یہ ہے:

خط دیکھو چھپا کے لے وہ اگر کہیں — لینا نہ میرے نام کو اے نامہ بر کہیں

اس پر بھی سودا نے ایک قطعہ لکھا ہے

نامہ لکھا تھا یار کو میں یہ سمجھ کے ہے — عالم میں رسم نامہ و پیغام ہے کہیں
لیکن سوائے بندگی و عجز و انکسار — نکتہ ہو اس میں حرف تمنا سے گر کہیں
واں لاکے مجھ کو مارئیے گردن کہ جس جگہ — پانی کے قطرے کا بھی نہ ہووے اثر کہیں
ورنہ خدا کے واسطے انصاف تو کرو — آتا ہے ایلچی پہ زوال اس قدر کہیں
اڑتا پھرے ہے نامہ گلی میں کسی طرف — دھڑ سے جدا پڑا ہے سر نامہ بر کہیں
وقتیکہ دلبران جہاں کا ہو یہ سلوک — پھر دل کو دوں کہو تو کس امید پر کہیں

کہیں کہیں تو سودا کے بعض اشعار فغاں سے بالکل ملتے جلتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دونوں نے ایک ہی جذبات سے متاثر ہو کر کہا ہے، بات یہ تھی کہ سودا کو فغاں کے ساتھ غیر معمولی شیفتگی تھی، اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے ایسی حالت میں ان کے بعض اشعار کے مضامین فغاں سے مل گئے ہیں تو کیا تعجب ہے۔

فغاں

میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے
کیا اوڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
اپنا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ
ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہیں
نے داد خواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں
خستہ جگر ہوں چاشنی غم چشیدہ ہوں
اے فغاں درد دل سنوں کب تک
اڑ گئی نیند اس فسانے سے

سودا

میری طرف سے دیکھیو صبا گل کو یہ پیام
آؤں قفس بھی توڑ کے پر بال و پر نہیں
کیوں مجھ سے بے گناہ کو ناحق کرے ہے قتل
اے یار تیرے دل میں خدا کا بھی ڈر نہیں
نے بلبل چمن نہ گل نو دمیدہ ہوں
میں موسم بہار میں شاخ بریدہ ہوں
سودا خدا کے واسطے کر قصہ مختصر
اپنی تو نیند اڑ گئی تیرے فسانہ میں

فغاں کی تقلید میں سودا کا قطعات اور غزلیں کہنا ان کے باکمال شاعر ہونے کی بین دلیل ہے۔ محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ "فغاں کے باکمال شاعر ہونے کی اس سے زیادہ نہیں ہو سکتی کہ مرزا رفیع جیسے صاحب کمال، اکثر ان کے اشعار مزے لے لے کر پڑھا کرتے تھے اور بہت تعریف کیا کرتے تھے، حقیقت یہ ہے مرزا کا خود بھی یہی انداز تھا، کیونکہ ان کے کلام میں بھی ہندی کے محاورے نے فارسیت کے ساتھ نئے لطف کے ساتھ پختگی پائی اور ہر خیال کو لطافت اور چوچلے کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔" مولانا عبدالسلام ندوی بھی رقم طراز ہیں کہ "فغاں شاعرانہ حیثیت سے میر اور سودا کے ہم پلہ و ہم مرتبہ تھے۔"

مگر میر اور سودا کی مختلف حیثیت سے اردو شاعری میں جو جگہ ہے، اس لحاظ سے فغاں کو ان کا ہم پلہ و ہم مرتبہ کہنا ذرا مشکل ہے، یہ دونوں اساتذہ سخن اپنی ندرت خیال، طرز بیان اور قدرت زبان کے لحاظ سے اپنا جواب نہ رکھتے تھے فغاں کے یہاں نہ میر کا سوز و گداز ہے اور نہ سودا کا جوش و خروش ان کے یہاں صرف زبان ہے اور زبان میں شگفتگی، ہمواری اور موسیقیت ہے اور شاید اپنی زبان کی شگفتگی کی خاطر انھوں نے غزلوں میں شگفتہ طرحوں کے سوا کوئی اور طرح اختیار نہیں کی، یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں شروع سے آخر تک یک رنگی، ہمواری اور توازن ہے،

البتہ اس حیثیت سے فغاں کو میر اور سودا کے مقابلہ میں امتیاز حاصل ہے کہ میر کی غزلوں پر اس اعتراض کا کہ "پستش بغایت پست و بلندش بغایت بلند" آج تک کوئی جواب نہ ہو سکا۔ سودا بھی اس الزام سے بری نہیں ہیں لیکن استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی لکھتے ہیں کہ "اس اعتراض سے صرف خواجہ میر درد اور فغاں کا کلام بالکل محفوظ ہے۔" اس رائے کی تائید

پیش نظر دیوان سے حرف بحرف ہوتی ہے جس کی مثالیں دینا ضروری نہیں ہے، چند غزلوں کو چھوڑ کر ناظرین شروع سے آخر تک دیوان میں توازن اور یک رنگی پائیں گے،

فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں   کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

میر و مرزا کے علاوہ فغاں کے معاصر شیخ محمد قیام الدین قائم نے بھی ان کی سخن سنجی کی تعریف کی ہے،

سلیقۂ سخن سنجی درست دارد، چناں چہ از سیاق و سباق کلامش پیدا است[1] "

میر قدرت اللہ قاسم (۱۲۴۶ھ – ۱۱۶۶ھ) جنھوں نے فغاں کا زمانہ دیکھا تھا اپنے مجموعہ نغز میں رقم طراز ہیں،

"شعرش پختگی تام دارد، سرآمد سخن سنجان فصاحت امام مرزا محمد رفیع سودا بسیار ستایش دیوانش می کرد[2] "

گلزار ابراہیم کا مصنف اپنے تذکرہ (نوشتہ ۱۱۹۵ھ) میں فغاں کو "شیریں کلام" لکھ کر کہتا ہے کہ "نظم ریختہ میں طبیعت ان کی رسا ہے[3] "

مصحفی (۱۲۴۰ھ – ۱۱۵۶ھ) لکھتے ہیں "شعر را بہ صفائی تمام می گوید[4] "

تلامذۂ فغاں

مختلف تذکروں میں فغاں کے شاگردوں کے صرف ایک دو نام ملے ہیں۔ ان میں میر وارث علی نالاں کے متعلق سخن شعرا مولفہ عبدالغفور نساخ میں ہے:

---

[1] مخزن نکات ص ۴۲ [2] مجموعہ نغز حصہ دوم ص ۲، [3] گلشن ہند ص۔ ۱۳ [4] تذکرہ ہندی ص ۱۱۰

"نالاں تخلص میر وارث علی ولد میر ارزانی، باشندۂ بہار (یعنی بہار شریف)، شاگرد اشرف خاں فغاں صاحب دیوان" (صفحہ ۵)

اس کے بعد نالاں کے حسب ذیل دو شعر منقول ہیں۔

یک بیک شام کو وہ یار جو گھر سے نکلا
لوگ حیران ہوئے یہ چاند کدھر سے نکلا

چین سے بیٹھنے کہیں نہ دیا مجھ کو میری ہی بدگمانی نے

گلزار ابراہیم (انجمن ترقی اردو) میں نالاں کے متعلق حسب ذیل معلومات ہیں :

"نالاں عظیم آبادی میر وارث علی خلف میر ارزانی، موطنش قصبۂ بہار است، اما سکنے در عظیم آباد اختیار کردہ بسرداری شیشہ گراں اعتبار دارد، جوان سنجیدہ اطوار از تربیت یافتگان مرزا اشرف علی فغاں ست، الحال کہ سال یک ہزار و یک صد و پنج ہجری در ہمان بلدہ بسر می برد" (صفحہ ۲۴۵)

نساخ نے سخن شعراء میں نذر علی خاں گماں کو بھی فغاں کا شاگرد بتایا ہے:

"گماں تخلص نظر علی خاں دہلوی، شاگرد اشرف علی فغاں مقیم فیض آباد (صفحہ ۴۰۳)

مگر تذکرۂ میر حسن اور گلزار ابراہیم میں گماں کا ذکر فغاں کے دوستوں میں کیا گیا ہے، گلزار ابراہیم میں ہے،

"گماں دہلوی، نظر علی خاں از دوستان اشرف علی فغاں ست دریں زماں کہ عہد شاہ عالم بادشاہ ست شنیدہ شد کہ در فیض آباد بسر می برد" (صفحہ ۲۰۰)

"تذکرۂ میر حسن میں ہے :

شاعر شیریں بیان میاں نادر علی خاں متخلص بہ گماں مردیست سپاہی پیشہ از یاران کوکہ خاں فغاں اصلش از شاہ جہاں آباد است مرثیہ و منقبت و غزل ہمہ می گوید نکو خوبی دارد، روزگار موافق زمانہ موافق است در فیض آباد بسر می برد، از بسکہ مشاق است در روانی طبع دارد، کلامش خالی از اثر نیست خدا ایش بسلامت دارد۔"

میر حسن نے اپنے تذکرہ میں ۲۶ اشعار نقل کئے ہیں جن میں سے بعض ہم اپنے ناظرین کے لئے بھی پیش کرتے ہیں :

فصل گل سے بھرا ہوا اب گرم بازار چمن
مفت پہلے کر ہوئی بلبل خریدار چمن

مدت سے ہو رہا تھا مرا داغ داغ دل
اس گل کے دیکھتے ہی ہوا باغ باغ دل

جستجو جس کی میں کرتا تھا خدائی کے بیچ !
دل ہی میں اس کا مکان تھا مجھے معلوم نہ تھا

قتل کر مجھ کو مری نعش پہ لایا قاتل
ہائے یار یہ گماں تھا مجھے معلوم نہ تھا

جس دم تو مجھ سے آکے ہم آغوش ہو گیا — غم دو جہاں کا دل سے فراموش ہو گیا

واسطے جس کے سبھی مجھ کو برا کہتے ہیں — وہ جو سنتا ہے تو کہتا ہے بھلا کہتے ہیں

موجودہ دور میں فغاں کی تحسین

موجودہ دور کے ارباب کمال نے بھی فغاں کی قدردانی کم نہیں کی، شیخ محمد ابراہیم ذوق نے فغاں کے دیوان کو اپنے ہاتھ سے لکھا۔ محمد حسین آزاد نے جب اس دیوان کو پڑھا تو ان کی آنکھیں روشن ہوگئیں، چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ فغاں کی زبان اسی زمانہ کی زبان ہے مگر فن شاعری کے اعتبار سے نہایت بااصول اور برجستہ تھے اور الفاظ کی بندش ان کی مشق سخن پر گواہی دیتی ہے ...... ان کی طبیعت ایشیا کی شاعری کے لئے نہایت موزوں تھی[1]۔ مولانا عبدالحی نے فغاں کو "شعر و سخن کا ماہر" کہا ہے[2]، نواب علی حسن خاں صبح گلشن میں رقمطراز ہیں کہ "بدقایق و نکات شعر و شاعری فارسی و اردو بخوبی آگاہ"[3] استاذی مولانا عبدالسلام ندوی مصنف شعر الہند نے تو ان کو میر اور سودا کا ہم پلہ اور ہم مرتبہ قرار دیا ہے[4]۔

فغاں کی گمنامی کا سبب

مگر افسوس ہے کہ ایسے باکمال استاد کے دیوان سے اب تک ارباب ذوق ناآشنا رہے اور فغاں اتنے مشہور نہ ہوسکے جتنے کے وہ مستحق تھے، مولانا عبدالسلام صاحب مدظلہ کا خیال ہے کہ فغاں اگر مرشد آباد اور عظیم آباد کے بجائے دہلی یا لکھنؤ ہی میں مقیم رہتے تو ان کو وہی شہرت حاصل ہوتی جو میر کو تھی، وہ لکھتے ہیں کہ "اس وقت مرشد آباد اور عظیم آباد بھی اگرچہ شاعری کے مرکز ہوگئے تھے تاہم شہرت کے جو اسباب لکھنؤ میں جمع ہوگئے تھے وہ ان مقامات میں کہاں میسر آسکتے تھے۔ اس لیے قدرتی طور پر شہرت کے جو سامان میر وغیرہ کو حاصل ہوئے اس سے اشرف علی خاں محروم ہوگئے"

فغاں کے مشہور نہ ہونے کی وجہ تو یہ ہو سکتی ہے لیکن ان کا دیوان اب تک طباعت اور اشاعت سے محروم رہا، حالانکہ ہر دور کے معمولی معمولی شعرا کے دواوین شائع ہو چکے ہیں ان کے دیوان کے نہ طبع ہونے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ آجکل

۱؎ آبحیات ص ۱۱۴ ۲؎ گل رعنا ص ۱۱۱ ۳؎ صبح گلشن ۴؎ معارف نمبر ۴ جلد ۹

یہ بہت ہی کمیاب ہے ۱۹۲۳ء میں کتب خانہ الاصلاح دیسنہ ضلع پٹنہ (صوبہ بہار) کے ناظم جناب سید ابوالکمال عبدالحکیم صاحب نے اس دیوان کا ایک قلمی نسخہ استاذی مولانا عبدالسلام صاحب ندوی (دارالمصنفین اعظم گڈھ) کے پاس بھیجا۔ مولانا موصوف نے معارف اپریل ۲۲ء میں اس نسخہ پر ایک مختصر لیکن جامع تبصرہ تحریر فرمایا اور آخر میں لکھا کہ "یہ بہترین یادگار اس قابل ہے کہ اس کو نہایت محنت کے ساتھ اڈٹ کر کے عام طور پر شائع کیا جائے" لیکن افسوس اب تک اس کی نوبت نہ آئی شاید یہ سعادت راقم سطور کے لئے مقدر تھی ۳۸ء میں راقم حروف نے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ سے دیوان کے نسخہ مذکور کو حاصل کر کے اس پر اپنی محدود لیاقت و صلاحیت کے مطابق ایک مفصل مقدمہ لکھنے کی کوشش کی جو اس وقت ناظرین کے زیر مطالعہ ہے، جب یہ مقدمہ تمام ہوا تو اس کو بطور استفادہ اردو زبان کے سب سے زیادہ بلند پایہ ناقد اور وسیع النظر ادیب یعنی مکرمی ڈاکٹر عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کی خدمت میں ارسال کیا، ڈاکٹر صاحب موصوف نے مقدمہ پڑھ کر پسند کیا اور اپنے ایک نوازش نامہ میں ازراہ لطف وکرم اس مقدمہ کو فغاں کے دیوان کے ساتھ اپنی انجمن ترقی اردو کی طرف سے شائع کرنے کا وعدہ فرما کر میری ہمت افزائی کی، لیکن دیوان فغاں کا صرف ایک ہی نسخہ میرے پاس تھا، اس لئے ڈاکٹر صاحب نے ازراہ لطف اس کے اور نسخے بھی فراہم کرنے کی امیدیں دلائیں، لیکن ۳۸ء سے ۴۲ء تک ڈاکٹر صاحب قبلہ کو کوئی اور نسخہ کہیں سے دستیاب نہیں ہو سکا راقم السطور نے بھی اپنی معلومات کی بنا پر متعدد جگہ خطوط لکھے لیکن ہر جگہ سے مایوسی ہوئی بالآخر ڈاکٹر صاحب موصوف نے اپنے ایک عنایت نامہ مورخہ ۲۶ فروری ۴۲ء میں مجھ کو ارقام فرمایا کہ دیوان فغاں کا مزید نسخہ کہیں نہیں ملا جو ہے اسی کو چھاپ دینا چاہیے مگر خلاف توقع فوراً ہی خبر ملی کہ پنجاب یونیورسٹی میں دیوان فغاں

کے دو نسخے موجود ہیں بالآخر پنجاب یونیورسٹی سے خط و کتابت کرکے دونوں نسخے یکے بعد دیگرے باضابطہ حاصل کیے جس میں کافی دیر لگی۔

پنجاب یونیورسٹی کا ایک نسخہ تو کتب خانۂ الاصلاح دیسنہ (پٹنہ) سے بالکل مشابہ ہے، دونوں میں کہیں کہیں جو اختلاف ہے اس کا ذکر دیوان کے مطبوعہ اڈیشن کے حواشی میں کر دیا گیا ہے، دونوں میں ایک ہی کاتب کا خط معلوم ہوتا ہے کتب خانہ الاصلاح دیسنہ کے نسخہ میں کاتب کا نام نہیں مگر پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں کاتب کا نام آخر میں سلطان علی مرقوم ہے کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے ابتدائی ورق کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ نسخہ ایک انگریز کرامت جنگ جیمس ولیم کلکٹر گورکھپور نے اپنے کسی اہلکار کو تحفتہً دیا تھا، پھر اتفاقاً یہ بشیر الحق صاحب بیدل ساکن دیسنہ ضلع پٹنہ (فی الحال پنشن یافتہ سب انسپکٹر آف پولیس) کے ہاتھ آیا جن کو اردو ادب سے گہرا ذوق اور کتابوں کے جمع کرنے کا غیر معمولی شوق ہے انھوں نے اس نسخہ کو اپنے محبوب وطن کے کتب خانہ کی نذر کیا، اس نسخہ میں فارسی کلام کے آخر میں یہ عبارت لکھی ہوئی ہے

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغاں مخاطب
بخطاب ظریف الملک کوکہ خان بہادر سلمہ اللہ الرحمان مالکہ"

اردو کلام کے آخر میں بھی یہی عبارت صرف چند الفاظ کے اضافہ کے ساتھ لکھی ہوئی ہے

"ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خاں المتخلص بہ فغاں
مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خاں بہادر
یکہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان مالکہ"

پنجاب یونیورسٹی کے مذکورہ نسخہ میں بھی دونوں جگہ یہ عبارتیں درج ہیں
دونوں نسخوں میں دیوان کا خاتمہ کاتب کی [illegible] جو حسب ذیل ہے

یہ جو میرا ہے راقم دیوان　　تحفہ نسخے کا بھولا بھالا ہے
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن　　ہوش جس دن سے سنبھالا ہے
ہائے ہوز سے وہ لکھے ہے خا　　آپ کا رسم خط نرالا ہے
قاتل طبع زاد ہے ظالم　　میں نے دشمن بغل میں پالا ہے
زندگی ہے میری سخن جس کو　　سہو کاتب نے مار ڈالا ہے

یہ قطعہ اس بات کی دلیل ہے کہ فغاں نے اپنے دیوان کی کتابت اپنی زندگی ہی میں کرائی اور پیش نظر دونوں نسخے شاید اسی نسخہ کی ہو بہو نقل ہوں ان نسخوں میں فغاں کے جو افکار سخن ہیں وہ شاید ان کے منتخب کردہ ہیں۔ ان دونوں نسخوں میں شروع میں ۲۶ ورق یعنی ۵۲ صفحے فارسی غزلیں اور ایک ہجو ہے اس کے بعد اردو کلام ہے، راقم الحروف نے فغاں کے اردو کلام کی اہمیت کے خیال سے زیر نظر مطبوعہ نسخہ میں اردو کلام کو مقدم اور فارسی کلام کو موخر کر دیا ہے دونوں نسخوں میں اردو کلام کے مجموعہ میں غزلوں کے علاوہ شروع میں تین قصیدے ہیں جو جناب امیر المومنین حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام علی موسیٰ رضا کی مدح و منقبت میں لکھے گئے ہیں، غزلوں کے ساتھ جابجا قطعات ہیں آخر میں چند رباعیاں متفرق اشعار، مخمس اور ہجویں ہیں۔ اردو کلام ۷۳ ورق یعنی ۱۴۶ صفحے پر پھیلا ہوا ہے محمد حسین آزاد نے شیخ ابراہیم ذوق کے ہاتھ کا لکھا ہوا جو دیوان فغاں دیکھا تھا وہ صرف غزلوں کا مجموعہ اور حجم میں دیوان درد سے بڑا تھا، لیکن دیوان فغاں کے جو نسخے اس وقت پیش نظر ہیں وہ درد کے دیوان سے زیادہ ضخیم ہیں اور ان میں غزلوں کے علاوہ اور بھی اصناف سخن ہیں،

پنجاب یونیورسٹی کا جو دوسرا نسخہ دستیاب ہوا وہ دراصل خان بہادر محمد شفیع کی ملکیت ہے، یہ نسخہ خوش خط تو ضرور ہے مگر بے حد غلط ہے ۲۴۰ ورق یعنی ۴۸۰ صفحے پر

فغاںؔ کی غزلیں لکھی ہیں، اس کا کاتب مذکورۂ بالا دونوں نسخوں کے کاتب سے جدا معلوم ہوتا ہے۔ آخر میں "مالک کتاب خدا بخش خواجہ لاہور" درج ہے۔ اس نسخہ کی حسب ذیل غزلیں اور غزلوں کے کچھ اشعار مذکورۂ بالا دونوں نسخوں میں نہیں ملتے۔

رات کو بزم میں جو غیر ترے یار رہا
یہ فغاں سر کو پٹکتا پس دیوار رہا
نہ اٹھا پردۂ غفلت نہ تجلی دیکھی
دل میرا منتظر جلوۂ دیدار رہا

تیری زلفوں سے جی نے پیچ کھایا
الٹ میرا کلیجا منہ کو آیا
لکھا تھا میں نے خط خط کی خبر سن
یہ قاصد تو جواب صاف لایا
جفا ہوتے ہیں کیا بدلے وفا کے
غرض جیسا کیا ویسا ہی پایا

لے اشک چشم شیشۂ مے میں ملا دیا
ساقی نے مجھ کو زہر کا پیالہ پلا دیا
در یتیم تھا میرا ہر قطرۂ سرشک
آنکھوں نے رو کے خاک میں ان کو ملا دیا
کچھ خانماں خراب کا دریا میں شور ہے
آخر حباب نے بھی گھر اپنا بہا دیا
جز اشک و آہ سوختہ کے عاشقی کے بیچ
تجھے ہمیں بتا تو فلک اور کیا دیا
جراح داغ دل ہے میرا تشنۂ نمک
تجھے دیوانے کا ہیکو مرہم لگا دیا
گرم اس قدر گئے میرے سینے سے تک نسیم
گلشن میں بلبلوں کا کلیجہ جلا دیا
رکھ خاک پر قدم میرے کہنا مسیح دم
دیکھو فغاں کو گور میں میں نے جلا دیا

ہر حرف سینتی اس کے ہی فتنہ ستم پیدا
جب خط کو تیرے دیکھا اتنا دہشت زدہ ہوا
مرتا ہے فغاں یارو اس شوخ سے جا کہیو
احوال جب آ دیکھا بیداد بہت رویا

تجھ کوں مجبور ہو لے یار خدا کوں سونپا　　　اب تو جیسے کا ہیکوں ناچار خدا کوں سونپا
صبح ہوتے ہی سنا سینے سے یہ ہیں پیغام　　　تجھ کوں آب دیدہ خونبار خدا کوں سونپا

طاقت نہیں فغاں کو جو دیکھے تیری طرف　　　ہو کہہ کتاں ہوا نہیں ہم چشم ماہ کا

خط جب تلک آوے نہیں قاصد کو نہ بھیج　　　وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا
مجھ سا گرفتہ دل کبھو شاد ہووے گا　　　یہ خانماں خراب بھی آباد ہووے گا
اطوار کچھ برے نظر آتے ہیں یار کے　　　یہ رفتہ رفتہ دیکھیو جلاد ہووے گا
اس سال ہم قفس سے آزاد ہو گئے　　　مجھ پہ مہربان کیوں صیاد ہووے گا

شب فرقت میں دکھلا فغاں گر چاک دل تھا　　　گریبان صبح کا . . . .

حیف باطن تجھ سے ایمان نہ ہوا　　　ہائے کافر تو مسلمان نہ ہوا
دست بد ہی ہو ناصح تیرا　　　پھر کہیں چاک گریبان نہ ہوا
اے فغاں عشق کے … ہیں　　　تو کسی حال میں نالاں نہ ہوا

اتنا خفا تو مجھ سے پھر سے یار کیوں ہوا　　　… فغاں کے نام سے بیزار کیوں ہوا
بس آرزو سے یار میرا جی نکل گیا　　　پوچھا کبھو نہ تو نے کہ بیمار کیوں ہوا
. . . .　　　تیری گلی میں جا کے فغاں خوار کیوں ہوا

تجھ کوں روزی ہو میری دعا میں لینا　　　تجھ کوں ہر شب تیری زلفوں کی بلائیں لینا

چشم مردم میں بیک کرتا ہی رو کھا ادبنا — پوچھ ہو دل میں تو مہمان نظر سے تو نا

ہم نے تیرے فراق کو جی دیا تو کیا — ایسا ہوا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا

نہ دوا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا — یہ وہ ہیں جن نے کلیجے کو ن داغ داغ کیا

یہ ستم کوئی سہہ نہیں سکتا — کیا کروں دل تو رہ نہیں سکتا

رفتہ رفتہ ہو گیا دیوانہ الفت خراب — جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانۂ الفت تباہ
آج پھرتا ہو فغاں تنہا نہ نانا شہر میں — کیا نہیں لیتے ہیں لڑکے اس دیوانہ کی خبر

کرتا ہی داغ سوزش خون جگر مدد کر — جلتا ہی دل ہمارا اے چشم تر مدد کر
اب قفل سے شب کے اندر رہتی ہی یاد مجھ کو — ہونے ہی شام غم پھر تو اے سحر مدد کر
اے آہ اشک میرے جلنے سے رہ گئے ہیں — یہ قافلہ رکا ہی تو ہم سفر مدد کر

سرگزشت اس دل کی پوچھے اگر دیوانہ شہر — دفتر دل پہ میرے بیاں آیگا میدان حشر

تغیر نہیں . . . . اب تلک — بلبل تو ہی چمن میں خوش آہنگ اب تلک
غنچے کھلے ہیں کے جو ہے شاد خندہ لب — کھلتا نہیں تیرا دہن تنگ اب تلک
کیا شور بیم رہا ہی فغاں کے مرا ادھر — سوئے تو نارسے ہیں لے چنگ اب تلک

جب سے دل لگا ... کا یار کھلایا ہے دل　　چشم میں ..... کی خار کھلایا ہے دل
کیوں کر خاطر میں لے آئیں ہم منعم سے تئیں　　سم تن سے دل کے اب ... کھلایا ہے دل
اس پرستش میں بتا نکی حق پرستی چھوڑ کر　　پھر ... صاحب زنار کھلایا ہے دل
پھنس گیا ہے اے فغاں اب تجھے نکل سکتا نہیں　　پیچ میں زلفوں کی اب لاچار کھلایا ہے دل

پایا نہ سوز عشق نے ہرگز فراغ دل　　جلتا رہے مدام بجائے چراغ دل
کالا ہے بد کا کون خریدار ہے فغاں　　کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل

نہ ملے ہر غرض ہرگز اسے حجاب نہیں　　کہوں تو کچھ نہیں سکتا رہوں تو تاب نہیں
خواب دیکھے کہے گا میری خرابی کون　　ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

سبک ہوا ہے دل امیدوار آنکھوں میں　　غضب رچا ہے مژہ انتظار آنکھوں میں

نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں　　کوئی مکان بھی میرے لیے ہے دنیا میں
دنیا و دیں دل و جان تجھ پہ لٹا چکا ہوں　　نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں !

ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں میں　　یہ خاک وہ ہے جسکو سر پہ اٹھا چکا ہوں

غلط کہتا تھا میں اے جان ترک عشق کرتا ہوں　　جفا سے تو نہ گزرا وفا سے کب گزرتا ہوں

نہ فقط گل کے تئیں ہم ہیں گرفتار چمن !　　دل میں چبھتا ہے یہ خار سر دیوار چمن

جی نکل جاوے میرا کشمکش دام میں کاش   نہ گرفتار قفس ہوں نہ گرفتار چمن

قطرۂ خوں ہی نہ نکلے گا تیرے ...   چاک کر دیکھ لے قاتل تو میرے سینہ کو ن

یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو   ..... نہ قفس کو نہ دام کو
دیکھا تھا ایک دن میرے خورشید رو تجھے   آنکھیں مدام دیکھتی رہتی ہیں بام کو
دیکھے کہیں اب فغاں سا بلا کش پاویگا   آزاد کوئی کرتا ہے ایسے غلام کو

جنوں میں ہجر میں غیروں پہ مہربانی ہو   بھلا بتا تو میاں کیوں کہ زندگانی ہو

کہتا دل فغاں کی طرف سے جو ہو سکے تپش   محمل اگر ملے کہیں فریاد کیجیو

میں راز دل کہا ہے تو افشا نہ کیجیو   اس خانماں خراب کو رسوا نہ کیجیو
ناصح تو سے کہا .... کاوش بے جا نہ کیجیو!

سب سے ملے ہم سے جدا ملے واہ واہ ملے واہ واہ
اچھے وفا کے آشنا ملے واہ واہ ملے واہ واہ
کہتا ہوں بوسہ دے مجھے اس کے عوض تو جان لے
کہتا ہے کیا سودا ہوا ملے واہ واہ ملے واہ واہ
آتا ہے وہ گلگوں بدن ہے لال پاؤں سے وہیں
کیا ان ہے نام خدا ملے واہ واہ ملے واہ واہ

رہ رہ بہت میں نے کہا . . . . . طرف ہرگز نہ جا
کہنے لگا مجھ کون ہی کیا لے واہ واہ لے واہ واہ
اک بوسہ دے مجھ کو اری کہنے لگا چل جا پرے
اچھا غصہ اچھی ادا لے واہ واہ لے واہ واہ
شمشیر کھینچ لے خوش ادا کردے فغاں کا سر جدا
قربان تیرے میرزا لے واہ واہ لے واہ واہ

زلفوں سے دل بندھا ہی تو کیوں ستاتا نہ
ظالم نہ تھم سکے گا جب کھل گیا دیوانہ

دل فغاں کہو کیوں کر نہ اضطراب کیجے
نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آیا ہی
خدا کے فضل وہ بھی دن کبھو ہو گا
کوئی کہے تیرا قاصد شتاب آیا ہی

گذر جب سے کیا تیری گلی میں
گدائی کا تصور بندھ رہا ہی
صنم کہنے سے کب خوش ہی وہ کافر
خدائی کا تصور بندھ رہا ہی

نہ پوچھ مجھ سے کہ تجھ پہ کیا گذرتی ہی
خدا ہی جانے کہ مجھ دل پہ کیا گذرتی ہی
پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں
کہ اس مسافر منزل پہ کیا گذرتی ہی

جب کہ معاش یہ ہو کیوں کہ رہیں وہ جیتے
لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے
چاک جگر بھی ہو ست جانہ گریبان
جیسی جانے گا مجھ کو آخر کو ان سیتے سیتے

قاصد تو نا امید پھرا کوئے یار سے خفت ہوئی تجھے دل امیدوار سے
زلف سیہ نہیں تو الجھتا ہے دل میرا شانہ کو دشمنی ہے میرے تار تار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز ہے دور مرتبہ میرا صبر و قرار سے
خانہ بخانہ یار کا کرتا پھروں گلہ یہ تو بہت بعید ہے میرے شعار سے
میں وہ ہوں عندلیب کہ گلزار دہر میں مجھکو خلش نہ آیا ہے تو نہ ہزار سے
ایذا اے باغباں گوارا ہے اب مجھے پایا ہے میں کہ لطف چمن میں بہار سے
شانہ گل کو دیکھ کے دل باغ باغ ہے آنکھیں بھی میری لگ رہی ہیں تو کنار سے

اگر میری زباں پہ بار حرف انتظار آوے ابھی رونے پہ ظالم دل تیرا بے اختیار آوے
وہ میرے قتل کو آیا تھا پھر کا ہے کو آویگا کہاں طالع میری ایسی کہ قاتل بار بار آوے
فغاں سن کر میری فریاد یوں کہتے ہیں ہنسا یہ ستے تو یار سے ظالم کہیں مجکو قرار آوے

ہمیں تو کون ہے جو مائل شراب کرے عجب بہار ہے کہ دل ہیں خدا خراب کرے
قسم ہے دل ہی سمجھتا ہے اس کی لذت کو تیرے ستم کو ستم ہے کوئی حساب کرے

. . . .

ہمیں سنا لب نیکو سے اس شرابی کی کہو فغاں سے شتابی فکر کباب کرے

درد دل تیری زلف تک پہنچی آہ یہاں تک میری رسا نہ ہوئی
کون لے جا کے بوئے داغ جگر میری پیغام بر صبا نہ ہوئی
دل سوزاں کو کیا پسند کیا دوسری بار پھر صدا نہ ہوئی

چشم خونخوار سے فغاں دیکھا — دل بیمار کو شفا نہ ہوئی

بدلا ترے ستم کا کوئی تجھ سے کیا کرے — تو بھی کہیں فریفتہ ہووے خدا کرے
قاتل ہمارے نفس کو تشہیر ہی ضرور — آیندہ تا نہ کوئی کسی سے وفا کرے
فکر معاش و عشق بتاں یاد رفتگاں — اس زندگی میں اب کوئی کیا کیا کیا کرے
عالم کے بیچ پھر نہ رہی رسم عاشقی — گر نیم لب کو بھی ترے شکوہ سے وا کرے
گر ہو شراب و خلوت معشوق خوبرو — زاہد تجھے قسم ہے جو تو ہو تو کیا کرے
تعلیم گریہ دوں میں گر ابر بہار کو — جز لخت دل صدف میں نہ گوہر بدا کرے
تنہا نہ روز ہجر فغاں پر ہے یہ ستم — پروانہ سا وصال میں ہر شب جلا کرے

جاں کیسے ہے اب سفر کا سن وہ میرا راہبر — آن ملے شتاب سے جلد پھرے خدا کرے
کوچۂ عشق میں فغاں چوکہ قدم بہکے یہاں — آہ کے تئیں عصا کرے اشک کو رہنما کرے

آتا ہوں تیرے در کے اوپر جب اے ماہ — کہتا ہے رقیبوں کو نہ دیو اس کو راہ
دن رات اور تیری یاد ہے دنیا میں — میں چاہتا ہوں ظالم بھلا اللہ اللہ

کرتے ہیں کئی بار یاری دوں بھی گذری — .... کرے آہ و زاری دوں بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری دوں بھی گذری

اس ناصح ناداں کو سمجھانے کو کیا کہیے — مجھ سوختہ دل کے تئیں جلوانے کو کیا کہیے
یہ آتش غم دونی بھڑکانے کو کیا کہیے — جز عشق صلاح اور آپ بتلانے کو کیا کہیے

یہ دل نہیں سمجھے گا　　دیوانہ کو کیا کہیے

جلنے پہ نہیں موقوف اس عشق کے کئی فن ہیں　　دشمن کئی پھرتے ہیں کئی ساکن گلشن ہیں
قندیل فلک اوپر یہ شمع جو جلتے ہیں!　　اس راہ ہماری کی شعلے سے روشن ہیں
ہم جلتے ہیں کیا کم ہے پروانہ کو کیا کہیے

کچھ طور زمانہ کی الٹی ہے نظر آتی　　. . . . .
. . . .　　یک دم کی خوشی میری گردوں کو نہیں بھاتی
قسمت ہے میری . . . پیمانہ کو کیا کہیے

کوئی نے میرا یہاں تک احوال کو پہنچایا　　ساقی کے قدم اوپر سر میرے کو لگوایا
لیکن میری خاطر ہیں رہ رہ گئے یہی آیا　　آدم کے تئیں جن نے جنت سے نکلوایا
اے زاہد دیوانہ اس دانہ کو کیا کہیے

زاہد کے مرید دل کو کس وہم نے گھیرا ہے　　. . . . .
دانا نہیں گو اپنی تسبیح کا پھیرا ہے　　ظاہر میں تو ہے روشن باطن میں اندھیرا ہے
مسجد میں تو یہ دیکھا بت خانہ کو کیا کہیے

جس وقت گذر یار و گلزار میں کرتا ہوں　　بلبل کی فغاں سن کے صیاد سے ڈرتا ہوں
لخت جگر پہ خون داماں میں بھرتا ہوں　　پڑھ پڑھ کے یہی مصرع میں زار ہوں
گلشن میں تو یہ دیکھا ویرانہ کو کیا کہیے

اب چاک گریبان کر جا دشت میں کھلاؤں　　یا کوہ میں اب جا کر سر خوب سا ٹکراؤں
حیران ہوں فغاں دل کو کس طرح سے بہلاؤں　　یہ دل تو نہ ٹھہرے گا کیا خاک میں سمجھاؤں
دانا تو سمجھتا ہے نادانہ کو کیا کہیے

کوئی بے وفائی میں تجھ سا نہ دیکھا　　کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ دیکھا

کوئی یکتائی میں تجھ سا نہ دیکھا   کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ دیکھا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ دیکھا

مندرجۂ بالا اشعار میں زیادہ تر اشعار ایسے ہیں جن میں فغاں کے کلام کی خوبی دلچسپی اور زبان کی روانی، سلاست اور گھلاوٹ نہیں جو ان کی شاعری کی امتیازی خصوصیت ہے، شاید ان اشعار کو فغاں نے اپنے معیار سے فروتر سمجھ کر رد کر دیا ہو اور اس لئے ان کو اپنے اس منتخب دیوان میں شامل کرنا پسند نہ کیا ہو جو ان کی زندگی ہی میں تیار ہوا، اسی گمان کی بنا پر راقم الحروف نے ان اشعار کو اوپر نقل تو کر دیا ہے مگر ان کو اصلی دیوان کے ساتھ شائع کرنا احتیاط کے خلاف تصور کیا ہے، ان میں بعض اشعار تو مطلق پڑھے نہیں گئے اس لئے ناظرین کو جا بجا نقوط نظر آئیں گے،

فغاں کی غزلوں میں سے میر نے نکات الشعراء میں تین ابیات، قدرت اللہ قاسم نے مجموعۂ نغز میں پینتالیس، مصحفی نے تذکرۂ ہندی میں چھتیس، قائم نے مخزن نکات میں چودہ (اور ایک رباعی)، گردیزی نے تذکرۂ ریختہ گویاں میں چار، شفیق نے چمنستان شعراء میں دس، میر حسن دہلوی نے تذکرۂ شعرائے اردو میں اکتالیس (علاوہ ہجو کے دو اشعار)، مرزا علی لطف نے گلشن ہند میں بیس، شیفتہ نے گلشن بیخار میں بارہ، ناسخ نے سخن شعراء میں سولہ، محمد حسین آزاد نے آب حیات میں اٹھائیس اور مولانا عبدالحی نے گل رعنا میں پندرہ اشعار نقل کئے ہیں، جن میں سوائے چند کے اور تمام اشعار پیش نظر مطبوعہ دیوان میں ہیں مذکورۂ بالا تذکروں کے جو چند ابیات دیوان میں نہیں ہیں وہ حسب ذیل ہیں

مجموعۂ نغز:-

تجھ سا گر نہ دل کبھی شاد ہوئے گا   یہ خانماں خراب نہیں آباد ہوئے گا

اس حال ہم قفس سے آزاد ہو گئے — مجھ پہ کبھی مہربان کبھی صیاد ہووے گا
جز اشک و آہ و سوختگی تا نفس کے ہیچ — تو نے ہمیں بتا تو فلک اور کیا دیا

شکوے لئے ترے نہ بتا تو کیا کیجے — دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جئے — مرے تو مر نہیں سکتا جئے تو خاک جئے
تذکرۂ ہندی ۔
نہ دل چمن میں لگے ہے نہ کوہ و صحرا میں — کوئی مکان بھی میرے لیے ہے دنیا میں

نے ہمیں گل سے غرض ہے نہ تمنائے چمن — کیا اسیران قفس کے تئیں پروائے چمن

ناصح تو نا امید پھرا کوئے یار سے — خفت ہوئی مجھے دل امید وار سے
کل دیکھتا ہوں کیا کہ سر راہ ایک شخص — کہنے لگا فغاں نہیں شاکی تو یار سے
میں نے دیا جواب کہ سنتا ہے اے عزیز — ہے دور مرتبہ مرے صبر و قرار سے

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جئے — مرے تو مر نہیں سکتا جئے تو خاک جئے

شکوے لئے ترے نہ قبا تو کیا کیجے — دل گرفتہ کو ظالم کبھو تو وا کیجے

مصحفی نے "تذکرہ ہندی" میں فغاں کی ایک غزل کے چار اشعار نقل کیے ہیں جس کے قوافی و ردیف "دعا نہ دے" اور "خدا نہ دے" ہیں۔ اس غزل کے حسب ذیل دو

اشعار پیشِ نظر دیوان میں نہیں ہیں،

قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہے دور — بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرطِ وفا نہ دے
بے طرح جوشِ گل نے لگائی چمن میں آگ — ڈرتا ہوں آشیانہ کو کافر جلا نہ دے

مخزن نکات۔

یاروں نے سن لیا ہے اسیری کے نام کو — پہچانتے ہیں یہ نہ قفس کو نہ دام کو

چمنستان شعراء۔ شفیق نے اس غزل میں سے جس کے قوافی و ردیف "زنداں کے بیچ" "آن کے بیچ" ہیں پانچ اشعار نقل کیے ہیں، جن میں حسب ذیل شعر دیوان میں نہیں، دیوان میں اس غزل کے چھ اشعار ہیں۔

میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف — شرم سے ڈوب مرے چاہِ زنخداں کے بیچ

تذکرہ شعرائے اردو۔

زخمِ دل تو سیا نہیں جاتا — بن سے بھی جیا نہیں جاتا
لے فغاں دیکھنا سمجھ لینا — دے کے دل پھر لیا نہیں جاتا

ملے ہے غیر سے ہرگز اسے حجاب نہیں — کہوں تو کہہ نہیں سکتا ہوں کچھ تاب نہیں
خراب دیکھ کہے گا مری خرابی کو — ہزار حیف کہ وہ خانماں خراب نہیں

ترے فراق میں کیوں کر یہ دردناک جیے — مرے تو مر نہیں سکتا جیے تو خاک جیے

بجز از دل کے مانع دیدار کون ہے — وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے
ہم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دور — گر وہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے

جاگا نہ کوئی خواب عدم سے کہ پوچھتے   آسودگان خاک میں بیدار کون ہی
میں مرگیا یہ آہ نہ پوچھا فغاں مجھے   درد جگر کسے ہی یہ بیمار کون ہی

اگر میری زباں پہ بار دیگر انتظار آوے   ابھی رونے پہ ظالم دل مرا بے اختیار آوے

ضعیف ہو دل بیمار اس قرینہ سے   اٹک کے آہ نکلتی ہی میرے سینہ سے

گلشن بیخار

تحمل آتش غم میں دل بیتاب کیا جانے   ٹھہرنا ایک دم بھی آگ پہ سیماب کیا جانے

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے   خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

نہ کھولے تری بند قبا تو کیا کیجے   دل گرفتہ کو ظالم کبھی تو وا کیجے

سخن شعرا۔

قاصد جو نا امید پھرا کوئے یار سے   خفت مجھے ہوئی دل امیدوار سے

ضعیف ہی دل بیمار اس قرینے سے   اٹک کے آہ نکلتی ہی میرے سینے سے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے   انھیں باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہی

دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا نامعلوم   کہنے سننے کے لئے بات بنا رکھا ہی

آب حیات۔ آب حیات میں ۷ غزلوں کے ۴ ' ۸ ' ۴ ' ٦ ' ۳ ' ۹ ' ۷

اشعار علی الترتیب منقول ہیں، یہ تمام غزلیں قلمی نسخہ میں موجود ہیں فغاں کی غزلوں کے صرف مندرجہ ذیل تین اشعار نہیں ہیں۔

بے فائدہ ہے آرزوئے سیم و زر فغاں　　کس زندگی کے واسطے یہ دردِ سر فغاں

اتنا کہاں رفیق بصارت ہے چشم کی　　دل بھی ادھر گیا مری جیدھر نظر گئی

کباب ہو گیا آخر کو کچھ برا نہ ہوا　　عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

دیوان کو مرتب کرتے وقت اس بات کا خاص طور سے خیال رکھا گیا ہے کہ یورپین مستشرقین کی بے جا تقلید میں غیر ضروری اور صبر آزما حواشی اور نوٹ لکھ کر اس کو دشوار نہ بنایا جائے۔ زیرِ نظر قلمی نسخہ کی کتابت میں بعض الفاظ کے املا غلط لکھے گئے ہیں جو یقیناً کاتب کی بے توجہی اور لاپروائی کے نتائج ہیں مثلاً ایسے الفاظ جس کا املا یائے معروف سے ہونا چاہیے یائے مجہول سے لکھ دیے گئے ہیں، اسی طرح یائے مجہول کی جگہ یائے معروف مکتوب ہے مثلاً "سے" کو "سی" "گے" کو "گی" "تے" کو "تی" یا "کہتی" کو "کہتے" "کسی" کو "کسے" "تجھی" کو "تجھے" "بھی" کو "بھے" لکھے گئے ہیں، اسی طرح حرف ساکن دوچشمی ھ کے ساتھ لکھنے کا التزام نہیں، ہ مختفی اور ھ دوچشمی میں کوئی فرق نہیں رکھا گیا ہے۔ مثلاً "ہنسنا" کو "ھنسنا" "ہو" کو "ھو" "ہستی" کو "ھستی" "دہر" کو "دھر" "گہر" کو "گھر" "تنھا" کو "تنہا" لکھ دیے گئے ہیں۔ میں نے دیوان نقل کرتے وقت ان کی تصحیح کر دی ہے، مگر ان پر حواشی لکھنے کی ضرورت نہیں سمجھی۔ ضرورت کے مطابق کہیں کہیں حواشی بھی لکھ دیے گئے ہیں۔ دیوان میں نون غنہ میں بالالتزام نقطے دیے

گئے ہیں، میں نے ان لفظوں کو بجنسہٖ قائم رکھا ہے،

یہ میرا دعویٰ ہرگز نہیں کہ میں نے اس دیوان کو غیر معمولی محنت سے مرتب کیا ہے، البتہ جو کچھ بھلا برا بن پڑا پیش کر دیا گیا ہے محض اس لئے کہ اردو زبان کا ایک بلند پایہ اور ممتاز شاعر گمنامی کے پردہ میں رہ کر کہیں ہمیشہ کے لئے نہ گم ہو جائے۔

شکریہ

آخر میں پھر صمیم قلب سے جناب ڈاکٹر عبدالحق صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو (ہند) کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ ان کی اردو ادب نوازی کی وجہ سے یہ دیوان زیورِ طباعت سے آراستہ ہو رہا ہے، جو اب تک شائع نہ ہو سکا محترمی جناب خان بہادر محمد شفیع کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری ہے جنھوں نے اپنا ذاتی نسخہ بھیج کر اس دیوان کی تیاری میں مدد فرمائی۔ اسی طرح پنجاب یونیورسٹی کے لائبریرین کا بھی ممنون ہوں کہ وہاں کے قلمی نسخے کے مطالعہ کا موقع ملا آخر میں استاذی المحترم مولانا عبدالسلام صاحب ندوی صاحب شعر الہند اور برادر محترم جناب شاہ معین الدین صاحب ندوی رفیق دار المصنفین کے بار احسان سے گراں بار ہوں کہ انھوں نے دیوان کے بعض بدخط اشعار کے پڑھنے اور سمجھنے میں پوری مدد کی اور اس دیوان کے مقدمہ کی تحریر کے وقت ان دونوں کے مشوروں سے برابر مستفید ہوتا رہا،

حقیر

سید صباح الدین عبدالرحمان ام۔ اے

۲۵ فروری ۱۹۴۶ء

بسم اللہ الرحمن الرحیم

قصائد

قصیدہ در منقبت حضرت امیر المومنین علیہ السلام

شادی وغم سے کہاں خالی ہی بزم روزگار
جام اگر ہنستا ہی تو روتا ہی مینا زار زار

کون سی راحت ہی جو بے رنج ہی دنیا کے بیچ
گل کے تئیں جب ہاتھ میں لیتے ہیں تب چبھتا ہی خار

دہر میں پایا ہی یہاں تک نا امیدی نے رواج
چاہیے عالم میں ناپیدا ہو چشم انتظار

سینہ صافی اس قدر معدوم ہی دنیا کے بیچ
چاہیے ہووے اب آئینہ کے دل میں بھی غبار

گوشہ گیری میں بھی اہل دل کے تئیں آرام نہیں
دیکھ لو جاکر صدف میں بھی ہی گوہر بیقرار

دیکھتے ہیں مرداں چشم حقارت سے مجھے
اٹھ گیا دنیا سے رونے کا یہاں تک اعتبار

اس گہر کی دہر میں ازبس خریداری نہیں
چاہیے آنسو کے تئیں پی جاوے چشم اشکبار

ہیں اگر ہستی کے اوپر نیستی کو دوں شرف
دیں مجھے دشنام[۵۱] کچھ کر مردمان روزگار

حق بجانب ہی انھوں نے زیست میں پایا ہی تلف
مرگ تو معلوم ہی یہ لیتے نہیں نام مزار

جو میری تحقیق میں آیا سو اب کہتا ہوں عرض
راسے تو ان کی غلط ہی بد انھوں[۵۲] کا ہی شعار

کب تمامی عمر بلبل کو رہا ہی وصل گل
گل نے یک ہفتہ سوا پایا چمن میں کب قرار

---

۵۱ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ - کچھ کر دشنام ۵۲ پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ - بد انھوں کا

صبح کو مذکور تھا غنچہ کھلے دل وا ہوئے
شام کو کہتے ہوئے پھرتے ہیں گلشن میں پکار

جائے حسرت ہے چمن تک غور کر اے عندلیب
کیا ہوئے وہ گل کدھر جاتی رہی فصل بہار

غیر اون کے ہے مجھے جس شخص سے دلبستگی
عرض ہے میری یہی خدمت میں اس کی بار بار

اس فراموشی کو کیا کہتے ہیں اے پیماں شکن
اس تغافل کو بھلا کہتے ہیں کیا اے بدشعار

جو نہ دیکھا تھا سو دیکھا خانۂ الفت خراب
جو نہ سننے تھے سنا تیرے لئے سنتا ہے یار

چشم میں مطلق بصارت کا اثر باقی نہیں
وصل سے اب ہاتھ دھو بیٹھا دل امیدوار

امتحاں سے مرتبہ گذرا ہوا ہوں چاہیے رحم
کب تلک ظلم و تعدی کب تلک صبر و قرار

یہ غزل پڑھتا پھرے ہے کوچہ و بازار میں
خاک اڑا کر اپنے سر اوپر یہ تیرا خاکسار

جب تلک ہے تن میں دم الفت نہیں چھٹنے کا
بعد میرے خاک بھی ہوگی ترے در پر نثار

ہم اسیروں نے نکالے ہیں قفس میں بال و پر
کس کو کہتے ہیں خزاں اور کس کو کہتے ہیں بہار

مر گیا ہے اس تمنا میں دل آفت طلب
شاد ہو دشمن رہے روتا ہمیشہ دوستدار

خاک پر ہم بیکسوں کے کون لاویگا چراغ
اے دل سوزاں تو ہی ہونا میرا شمع مزار

مردمان چشم تو رو رو کے کہتے ہیں فغاں
کیا دکھا دے گا ہمیں اس سے زیادہ انتظار

جب کہ ایسے بیوفا آئے نظر خوباں دہر
کر چکا جتنا مجھے کرنا تھا عجز و انکسار

تب کہا میں دل سے کر کچھ فکر عقبیٰ اے عزیز
کیوں نہیں ہوتا تو مداح شہ دلدل سوار

دل لگا کہنے خدا حافظ تجھے سودا ہوا
کیا میری قدرت کروں وصف امیر نامدار

تیغ جس کی آبداری میں یہاں تک ہے کہ برق
خوف سے اس کے رہی ہے چرخ اوپر بیقرار

دوست تو کہتے ہیں اس کو ناخن شیر خدا
خاک پر اس کی عدو کے گر کسی کا ہو گذار

وہاں اسے پوچھے کہ کیسی تیغ تھی کرار کی
کیسا مرکب تھا علی کا تھا وہ کیسا شہسوار

یہ صدا نکلی تب اس کی خاک سے کیا پوچھیے
لافتا الا علی لاسیف الا ذوالفقار

له پنجاب یونیورسٹی لائبریری نسخہ "بدن"

قبضۂ قدرت کو اس کے کیا کشش کی احتیاج — دیکھتے ہی تیر کو صید حرم ہووے شکار
میں تو کہتا ہوں کماں کو اس کی محراب حرم — جس کی قوت سے ہوا اللہ اکبر آشکار
اس کا مرکب ہی سبک رو اس قدر دنیا کے بیچ — چرخ کھاتا ہے فلک اس چال پر ہو کر نثار
عقل سے معلوم ہو تو ہو کہ جوں باد صبا — اس کی ہیں پھرتا نہیں دیکھا کسی نے زینہار
دیکھ تو حالت فغاں کی یا امیر المومنین — بے تیرا مدح رہتا ہے نہایت بے قرار
تشنہ لب ہے تشنہ لب یا ساقی کوثر شتاب — سیر ہو تیرے تصدق سے دل امیدوار
گر تصور دل میں تیرے مشہد عالی کا وہ — روز و شب رو رو کے اس مطلع کو پڑھتا ہے پکار

بادۂ وحدت پلا دے کب تلک کھینچوں خمار
منتظر بانگ موذن کا ہے گوش روزہ دار

قصیدہ دیگر در منقبت حضرت علی بن ابی طالبؑ [۱]

امام مسجد و منبر علی ابن ابی طالبؑ — ستون دین پیغمبر علی ابن ابی طالب
تو ہی عالی تو ہی اعلیٰ تو ہی والی تو ہی والا — تو ہی بہتر تو ہی بہتر علی ابن ابی طالب
. . . . — عجائب کا تو ہی مظہر علی ابن ابی طالب
. . . . — تو ہی ہے دین کا دفتر علی ابن ابی طالب
. . . . — فغاں کہتا ہے یہ اکثر علی ابن ابی طالبؑ [۲]

---

[۱] یہ منقبت "قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثنا" کے خاتمہ پر دیوان کے حاشیہ پر درج ہے، ترتیب کے خیال سے حضرت علی کی پہلی منقبت کے بعد اس کو یہاں پر نقل کیا گیا ہے۔

[۲] دیسنہ لائبریری اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے دونوں نسخوں میں جلد بندی کی وجہ سے حاشیہ کٹ گیا ہے اس لیے آخری تین شعر کے پہلے مصرعے پڑھے نہیں جاتے۔

قصیدہ در مدح حضرت امام علی موسیٰ رضا علیہ التحیۃ والثنا

ازل سے ہے دل آزاد کا یہ استدعا — کبھی نہ فکر فنا ہو کبھی نہ فکر بقا
مدام خاک اڑایا کرے بیاباں میں — کھلے رہیں مرے وحشت زدہ کے بند قبا
سو یہ فراغ کہاں بلکہ بیقراری ہے — کیا ہے گردشِ گردوں نے مثلِ قبلہ نما
ہوئی نصیب کہاں سے اسے گرفتاری — دلِ حزیں مرا آخر کے تئیں پھنسا ہے پھنسا
میں کہہ رہا کہ نہ عاشق ہو بانِ آسماں کا فر — خدا کے واسطے ٹک دیکھ حال دنیا کا
ہوئی ہے رسمِ محبت یہاں تلک معدوم — نہ عندلیب میں الفت رہی نہ گل میں وفا
چمن چمن جسے کہتے ہیں واں بھی خار نہیں — کرے ہے نالۂ بلبل پہ زاغ استہزا
خدا امان میں رکھے کیا برا زمانہ ہے — فلک اگر مجھے چھوڑے رہا کروں تنہا
سوائے فکرِ سخن اور کچھ نہ ذکر کروں — بغیرِ طرحِ غزل کچھ نہ میں کروں انشا
چنانچہ یہ غزلِ تازہ جس کو لکھتا ہوں — ہوئی ہے وردِ زباں مجھ دلِ حزیں کے سدا
چمن میں کھینچ دمِ سرد یوں کہے ہے صبا — کوئی جہاں میں نہ ہووے کسی کا عقدہ کشا
ہمارے آبلۂ دل کے کب برابر ہو — اگر حباب کی صورت تمام ہو دریا
جلا غبار سے پاتا ہے روئے آئینہ — بجا ہے خاک ملیں منہ پہ اپنے اہلِ صفا
کیا ہے داغِ بتاں نے یہاں تلک مجھ کو — برنگِ سروِ چراغاں جلوں ہوں سر تا پا
گدا تو پشم ہی جانے ہے تاجِ شاہی کو — ہمارے سر پہ نہ سایہ فگن ہو بالِ ہما
فغاں ضرور نہیں کچھ زیارتِ کعبہ — ہمارے دیر کو قائم رکھے جہاں میں خدا
اگر طواف کروں تو اسی کے مشہد کا — کہ جس کے واسطے خلقت ہوئے ہیں ارض و سما
وہ کون شاہ خراساں امیر ابن امیر — امام ضامن ثامن شفیع روزِ جزا
وہاں جو خوار کرے مجھ کو شومیِ طالع — پڑھوں یہ مطلعِ دلکش کہوں ہوا سو ہوا

رضا رضا ہی پکارے جو ہو ہو فدائے رضا
یہی رضائے محمد یہی رضائے خدا

یہ آرزو ہے کہ جا اس کے آستانہ پہ
کروں خطاب کہ اے بادشاہ ہر دو سرا

ترے تو مشہد عالی کو یا امام زمن!
بجائے کعبہ سمجھتے ہیں مردم دنیا

مسیحان فلک سے اگر کوئی پوچھے
کہیں کہ عرش معلا سے کم نہیں یہ جا

کسے مجال ترے روبرو کہے حاضر
کہ تیرے سامنے ہوتے ہوئے ڈرے ہے قضا

جو فی المثل ہو مقابل ترے غلاموں کے
جسے سمجھتے ہیں رستم یہ مردم دنیا

نہ اتنا پاتا ہوں اس کو کہ سامنے ٹھہرے
سبھی پکاریں گے دیکھا نہ وہ گیا وہ گیا

عدو سے پوچھیے گر تیری تیغ کی پرسش
کہے جہاں میں ہوئی ذوالفقار پھر پیدا

قلم تو میرے کف دست سے نکل جاوے
ترے سمند کے جلدی اگر کروں انشا

چلے رکاب میں باد سحر کا کیا مقدور
کیا قبول وہ ہرچند ہے جہاں پیما

یہی ہے عرض فغاں کی اگر قبول پڑے
تری جناب مقدس میں یا امام رضا

کسی کے در کو نہ جھانکوں نصیب ہو میرے
تجھی سے فائدہ دین و حاصل دنیا

شتاب ہو مرے مولا مراد دل حاصل
خدا نخواستہ جنبش میں آوے دست دعا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو دیوان

(ردیف الف)

عالم میں اگر عشق کا بازار نہ ہوتا   کوئی کسی بندہ کا خریدار نہ ہوتا
ہستی کی خرابی[1] نظر آتی جو عدم میں   اس خواب سے ہرگز کوئی بیدار نہ ہوتا

قطعہ

کہتا ہے تجھے خاک نہ دوں غیر اذیت   یہ دل میں اگر تھی تو میرا یار نہ ہوتا
معلوم کسے تھی یہ تیری حنا نہ خرابی   میں جانتا ایسا تو گرفتار نہ ہوتا
دیتے تیری مجلس میں اگر راہ فغاں کو   اس شخص سے ہرگز کوئی بیزار نہ ہوتا
عالم کو جلاتی ہے تیری گرمیٔ مجلس   مرتے ہم اگر سایۂ دیوار نہ ہوتا
اے شیخ اگر کفر سے اسلام جدا ہے   پس چاہیے تسبیح میں زنار نہ ہوتا

ظالم مرے حاسد کی تو شادی تھی اسی میں
یعنی مجھے در تک بھی ترے بار نہ ہوتا[2]

---

[1] گلشن ہند (ص۱۲) میں یہ مصرع اس طرح ہے ع "ہستی کے خرابے نظر آتے جو عدم میں"۔ مگر تذکرۂ ریختہ گویان (ص۱۲۲) اور چمنستان شعرا (ص۲۵۹) میں "کی خرابی نظر آتی" ہے دوسرا مصرع گلشن ہند، تذکرہ ریختہ گویاں اور چمنستان شعرا میں اس طرح ہے ع "ہرگز کوئی اس خواب سے بیدار نہ ہوتا" مجموعۂ نغز (ص۲۰۰) اور تذکرہ ہندی (ص۱۰۰) میں "مجلس" کے بجائے "بازار" ہے۔ [2] یہ دو قطعہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ میں نہیں، شاید حاشیہ پر ہوں مگر جلد بندی میں اس کا کاغذ چھپ گیا

آیا ہے[1] خط نمود میں اس خوش نگاہ کا — شاید اثر ہوا ہے مرے دودِ آہ کا
خورشید بھی[2] ہووے ہویدا سحر کے وقت — گر نام لے کوئی مرے بختِ سیاہ کا
بے وجہ نہیں ہے[3] جامۂ قاتل کا رنگ سرخ — شاید پڑا ہے خون کسی بے گناہ کا
آجاوے درمیان میں داماں حشر بھی — اتنا ہے چاک جیب ترے دادخواہ کا[4]
اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کے روبرو — کیا پشم و قدر ہے[5] تری زریں کلاہ کا

جو لختِ دل گرا ہے[6] زمیں پہ اسے فغاںؔ
رکھنا مرے کفن میں یہ توشہ ہے راہ کا

جاں! ایسا نہ ہو ضائع ہو یہ جاناں میرا — لیجیو جاں[7] کو ٹک جان کے جاناں میرا
بالله تونے[8] تو رفو سے نہ اٹھایا ناصح — اڑ گیا سیتے ہی سیتے یہ گریباں میرا
طرح کیا یاد ہے اس چشم کو ٹک جانے کی — چھوٹ سکتا نہیں اب گوشۂ داماں میرا
کچھ مدارات بھی اے خونِ جگر پیکاں کی — تشنہ مرتا ہے کئی دن سے یہ مہماں میرا[9]
کیا کروں پھوٹ چلے آبلے چشمِ پر آب — یہ نہ ہووے کہ رہے خشک بیاباں میرا
دل خمِ زلف میں ناحق کو گرفتار ہوا — آ گیا کفر میں افسوس مسلماں میرا

اس خطِ سبز کی ازبسکہ لکھی ہے تعریف
اے فغاں ہو گیا سرسبز یہ دیواں میرا

اے تجلی کیا ہوا شیوہ تری تکرار کا — مر گیا آخر کو یہ طالب ترے دیدار کا

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "آیا ہے خط ہوا ہی" ۲ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہے" بنا دی ۳ ایضاً "تھا" ۴ ایضاً "فخر" ۵ ایضاً جو لخت دل گرے ہوں زمیں پر میں سینے کر کھنا ہی میرے کفن پہ توشہ یہی راہ کا۔ اس نسخہ میں ایک اور شعر ہے جو کتب خانۂ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں، اور وہ یہ ہے "طاقت نہیں فغاں کو جو دیکھے تری طرف، ہو کر کتاں جدا نہیں ہم چشم ماہ کا" ۶ ایضاً "جام" ۷ ایضاً "تھی" ۸ "یہ" ۹ مخزن نکات ص ۱۲۳ ۔

کیا بنائے خانۂ عشاق بے بنیاد ہے — ڈھل گیا سر سے میرے سایہ تری دیوار کا
روز بہ ہوتا نظر آتا نہیں یہ زخمِ دل — دیکھیے کیا ہو خدا حافظ ہے اس بیمار کا
تو ملازم لعلِ لب کو دے گئے تنخواہ میں — بے طلب رہتا ہے یہ نوکر تری سرکار کا

دیکھ نہیں سکتا فغاںؔ شادیٔ دل آفت طلب
یہ کہاں سے ہو گیا مالک میرے گھر بار کا

یہ ناز ہر کسی سے اٹھایا نہ جائے گا — مجھ سا جو مر گیا تو جلایا نہ جائے گا
زخمِ جگر کو پردہ نشینی ضرور ہے — یہ داغ ہر کسی کو دکھایا نہ جائے گا
آسودہ ہیں زبس ترے کوچہ میں عاشقاں — اس خاک کو ادب سے اڑایا نہ جائے گا
کیا خاک کرے یار میں پیویں سراغِ دل — ایسا ہی گم ہوا ہے کہ پایا نہ جائے گا

ممکن نہیں کہ تارِ نگہ بن سے ہو رفو
چاکِ جگر فغاںؔ سے سلایا نہ جائے گا

کتنا حریفِ خواب ہے خلخال دیکھنا — یارو خدا کے واسطے یہ چال دیکھنا
جب تک رہے[1] ہے قفس میں یہی شغل نت ترا — سر کو جھکا جھکا کے پر و بال دیکھنا

قطعہ

وقتِ بہار مجھ دلِ شیدا کا اے فغاں — یہ تھا شعار دشت کو ہر سال[2] دیکھنا
اس سال مجھ کو دیکھ غزالاں نے یوں کہا — منظور گر ہے قیس کا احوال دیکھنا

---

[1] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں "بجے" ہے [2] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر منقطع ہیں ہے اور دوسرا مصرع جو غلط لکھا ہوا ہے یہ ہے "نت تھا شعار دشت کو ن ہر سال دیکھنا"

جا دیکھ آج دشت میں ماتم نشین ہے بید
مجنوں کی خاک پہ وہ کھلے بال دیکھنا

آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا[۵۱] — کچھ بس نہ چل سکا تو مِری[۵۲] جان رو دیا
باتیں تری کسی کے بھی دل کو بھلی لگیں — میرا جگر نہ ہووے کہ پیکان چبھو دیا
سن لی خبر کہاں سے میرے اشک چشم کی — کس نے یہ تیرے[۵۳] کان میں موتی پرو دیا

قطعہ

کیا پوچھتے ہو حال فغاں کا سنا نہیں — خانہ خراب عشق[۵۴] نے دنیا سے کھو دیا
اس کے وصال و ہجر میں یوں[۵۵] ہیں[۵۶] گزر گئے
دیکھا تو ہنس دیا جو نہ دیکھا تو رو دیا

قطعہ

چشم مردم میں بیک کرتا ہے رو کھا بولنا — بوجھ ہوں دل پر تو میزان نظر سے تولنا
چاک کرنے دے صبا غنچہ کا اول پیرہن — رہ کے ٹک گلشن میں تو بند قبا کو کھولنا

---

۵۱ "تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) ع "انکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا" تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱) ع "آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "آنکھوں نے لے سفینۂ الفت ڈبو دیا ۵۲ تذکرہ ہندی "مری" ۵۳ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" ۵۴ ایضاً کس نے تیرے یہ کان میں موتی پرو دیا ۵۵ ایضاً اول نے ۵۶ قلمی نسخے "ہیں" "گزاہی" کے لئے دیکھو مجموعۂ نغز (ص ۷۵) تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۵) تذکرہ ہندی (ص ۱۶۱)
خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ شعر نہیں، مگر اس نسخے میں اس غزل کا مطلع ہے،

یہ بات تو نہ کہ میرا احسان کھو دیا — دشنام تو مدام ہے بوسہ کبھو دیا

مگر یہ شعر کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی کے نسخوں میں نہیں ہے۔

یا کہ بوسہ دے مجھے وہ شوخ یا دشنام دے
ہو تنکر یا سمِ فغاں یہ کھول انت کھو لنا

قطعہ

خون آنکھوں سے نکلتا ہی رہا — کاروانِ اشک چلتا ہی رہا
اس کفِ پا پر ترے رنگِ حنا — جنے دیکھا ہاتھ ملتا ہی رہا
صبح ہوتے بجھ گئے سارے چراغ — داغِ دل تا شام جلتا ہی رہا
کب ہوا بیکار پتلا خاک کا — یہ تو سو قالب میں ڈھلتا ہی رہا
یہ ہوئے کب داغ میرے جسم کے — یہ شجر ہر وقت پھلتا ہی رہا
کب تھا آنکھوں سے میرے خونِ دل — جوش کھا کھا کر ابلتا ہی رہا

کیا ہوا مرہم لگانے سے فغاں
زخمِ دل سینہ میں سلتا ہی رہا

قطعہ

مے واسطے ساقی نہیں آپ چشم تر آیا[1] — دل دیکھتے ہی ابر کو ناچار بھر آیا
مست ڈھونڈ گزک کو ارے میخوار دیکھ — اے لے تیری خاطر میرا لختِ جگر آیا
گم کر دیا اس نامۂ جاں سوز کو میرے — قاصد کا برا ہو وے یہ کیا کام کر آیا
زاہد کے تئیں دیکھ کے کہتا ہوں حرم میں — عیسیٰ کو فلک بھیج دے کعبہ میں خر آیا

---

[1] نکات الشعراء (صفحہ ۸۰) و چمنستان الشعراء (صفحہ ۲۸۵) ع۔ ساقی نہیں یہاں آپ سے کچھ چشم تر آیا، مجموعۂ نغز (صفحہ ۲۲) ع۔ ساقی میں نہیں آپ سے کچھ چشم تر آیا۔ مخزن نکات (صفحہ ۲۱) مے واسطے ساقی نہیں لبان چشم تر آیا، کتب خانہ الاصلاح کے اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخوں میں "آپ" کے بجائے "اب" ہے دوسرے مصرع میں نکات الشعراء میں "کو" کے بجائے "کے" ہے اور خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں "کون" ہے۔

حیران و پریشان و دل افگار و تباجا کے[۴۹]
سنتے تجھے فغاں کو سو وہ آج ہی نظر آیا[۵۰]

صد شکستہ بال کو حب الوطن سے کیا
ہوں بلبل قفس مجھے مرغ چمن سے کیا

یہ جسم خاک ہو ترے در پہ اڑا کرے
تیرے شہید عشق کو گور و کفن سے کیا

یعقوب کو عزیز ہے یوسف کا پیرہن
یوسف ہو جس کے پاس اسے پیرہن سے کیا

پی پی کے خون دل کو وہ رنگیں کرے ہے لب
اس لعل بے بہا کو عقیق یمن سے کیا

صنم بنا تو خدائی[۵۱] کا تجھ کو کیا نہ ہوا
ہزار شکر کہ تو بت ہوا خدا نہ ہوا

شگفتگی سے ہے غنچے کے تئیں پریشانی
بھلا ہوا کبھی کا فر تو مجھ سے وا نہ ہوا

ہوا نہ ہیں جیا آخر کو نیم بسمل ہو
غضب ہوا میرے[۵۲] قاتل کا مدعا نہ ہوا

نپٹ ہوا ہوں فضیحت بہت ہوا ہوں خفا[۵۴]
ترے[۵۳] طفیل اے خانہ خراب کیا نہ ہوا

طرف سے اپنی تو نیکی میں تھا میرا صاحب[۵۵]
تری[۵۶] بلا سے فغاں کا بھلا ہوا نہ ہوا

---

۴۹ نکات الشعرا و چمنستان الشعرا ع - ادارہ' پریشان و شکستہ دل و بدنام' تذکرہ ریختہ گویان ع - آوارہ پریشان و شکستہ دل و بدنام ۵۰ نکات الشعرا (ص۸۷، چمنستان الشعرا (ص۴۴۳)، تذکرہ ریختہ گویان (ص۱۶۵) میں یہ مصرع اس طرح ہے: ع سنتے تجھے فغاں جس کو سو آج ہی نظر آیا نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع - سنتے تجھے فغاں کے تئیں سو اب نظر آیا ۵۱ تذکرہ میر حسن (ص۱۴۳) 'خدائی میں' آب حیات (ص۱۱۶) و نسخہ خان بہادر محمد شفیع 'خدائی کا' ۵۲ آب حیات 'مرے' نسخہ خان بہادر شفیع کے نسخہ میں ہے ع - غلط ہوا میرے قاتل کا مدعا نہ ہوا۔ ۵۳ آب حیات - تیرے ۵۴ آب حیات مع نسخہ خان بہادر شفیع میں یہ مصرع کچھ اور ہے جو پڑھا نہیں جاتا ۵۵ آب حیات 'میری' نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ایک شعر فاضل ہے: کباب ہو گیا آخر کو کچھ مزا نہ ہوا عجب یہ دل ہے جلا تو بھی بے مزا نہ ہوا

عاشق کے آگے مست کہو وہ شوخ بد اطوار تھا ظالم تھا یا خونخوار تھا جو تھا سو اپنا یار تھا
لاکھوں لگانے سب رہے جو عاشق کہ آگے کب بچے دل دے کے سودا کر چکا منعم تھا یا نادار تھا
لقمان بھی حیراں رہا یہاں بو علی گریاں رہا درد دل بیمار تھا اندک تھا یا بسیار تھا
اس درد میں جب تک رہا مت پوچھ دیا کیا کیا سہا
یا تھا خدا سر پر فغاں یا سایۂ دیوار تھا

کسی کے پاس دیکھوں یار کو میں سہ نہیں سکتا رہوں تو رہ نہیں سکتا کہوں تو کہہ نہیں سکتا
یہ موج اشک میری صورت زنجیر رکھتی ہے
چلوں تو چل نہیں سکتا بہوں تو بہہ نہیں سکتا

مرا قطرۂ اشک دریا نہ ہوگا جو آنکھیں یہی ہیں تو کیا کیا نہ ہوگا
ہمیں دینا ہے دل جی کو وہ لیتا ہے دل کو خریدار یہ ہے تو سودا نہ ہوگا
نہ کر دل کو آلودۂ زنگ فرقت کہ یہ آئینہ پھر مصفا نہ ہوگا
ہزاروں چمن میں کھلے گل بھی کیا مرا غنچۂ دل کبھی وا نہ ہوگا
فغاں ریختہ گو جہاں میں بہت ہیں
کوئی تجھ سا دنیا میں پیدا نہ ہوگا

غور کر دیکھا جہاں کعبہ تھا یا بت خانہ تھا ایک تو اپنا تھا اور عالم سبھی بیگانہ تھا
اس قدر کبھی کلبۂ دل کو مرے ویراں نہ کر ایک دن وہ تھا کہ تو اس گھر کا صاحب خانہ تھا
دیکھتا فانوس میں نور تجلی کب تلک جل گیا پردے کے کرنے ہی سو یہ پروانہ تھا
سنتے سنتے لگ گئی ہے آنکھ تیرے یار کی
قصۂ جانکاہ تیرا کیا فغاں افسانہ تھا

تدبیر کا عبث[1] کو فغاں مبتلا ہوا تقدیر کا مٹے نہیں ہرگز لکھا ہوا

---

[1] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع ع "تدبیر پر عبث تو فغاں مبتلا ہوا"۔

ساقی نہ جام دے تیری ضائع ہو دیگی مے — آتا ہے میری چشم سے دریا بہا ہوا
شانہ کی کشمکش سے اگر زلف کھل گئی — اے دل نکل شتاب تیرا دام وا ہوا
اے عندلیب تیرے جگر کو لگے گی آگ — ہرگز نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا
لایا نہیں ہے میرے لکھے کا جواب آہ — مرتا ہوں انتظار میں قاصد کو کیا ہوا

معلوم میں کیا تیرے رونے سے اے فغاں
تو خانماں خراب کہیں مبتلا ہوا

جس شخص کو ہو عشق کا آزار مرے گا — جینے کا نہیں یہ تیرا بیمار مرے گا
بے شغل نہ رہ اس دل بسمل کو جلا دے — یکبار جیے گا تو کئی بار مرے گا
کیا وسعت سینہ جو کرے بال کشائی — رک رک کے میرا مرغ گرفتار مرے گا

منظور ہوا یار تجھے قتل رقیباں!
اس ضد سے فغاں اپنے تئیں مار مرے گا

عالم کو بحر خوں میں یہ قاتل ڈبو سکا — لیکن میرے لہو کو نہ دامن سے دھو سکا
پہنچا گئے مجھے تیرے در تک یہ سیل اشک — اتنا تو ہو سکا کہ میری جان رو سکا

قطعہ

سونا شب فراق میں آرام سے فغاں — یہ تو کسی کی چشم سے اب تک نہ ہو سکا
تو نے جو رات خواب میں دیکھا تھا یار کو — کیوں کر پڑی تھی نیند تجھے کیوں کہ سو سکا

---

۵۱ ایضاً سینے ۵۲ گل کی قسم تیرے جگر کو لگے آگ نہ۔ بلبل نہ دیکھیو میرا سینہ جلا ہوا،
اس نسخہ میں دو شعر فاضل ہیں، ایک صحیح طور پہ پڑھا نہیں جاتا، دوسرا یہ ہے،

وحشت جنوں میں کود پڑے تو برہنہ پا — اب تو فغاں ندیم تیرا رہنما ہوا

تنہا نہ تیغ ناز سے دل آج کٹ گیا
ٹکڑے جگر بھی ہو صف مژگاں بٹ گیا

گل ہر سحر کیے ہی گریباں کو چاک چاک
اے عندلیب تیرا کلیجہ نہ پھٹ گیا

ثابت ہوئی نہ زلف بتاں کی گزندگی
یہ افعی سیاہ تھا ڈس کر پلٹ گیا

کیوں کر رہا فغاں خم ابرو کے سامنے
رستم بھی اس کی تیغ کے آگے سے ہٹ گیا

ہرگز میرا وحشی نہ ہوا رام کسی کا
وہ صبح کو ہی یار میرا شام کسی کا

اس ہستی موہوم میں ہرگز نہ کھلی چشم
معلوم کسی کو نہیں انجام کسی کا

اتنا کوئی کہہ دے کہ میرا یار کہاں ہے
باللہ میں لینے کا نہیں نام کسی کا

ہونے دے میرا چاک گریباں میرے ناصح
نکلے میرے ہاتھوں سے بھلا کام کسی کا

ناحق کو فغاں کے تئیں تشہیر کیا ہے
دنیا میں نہ ہووے کوئی بدنام کسی کا[1]

دل دھڑکتا ہے کہ تو یار ہے[2] سودائی کا
تیرے مجنوں کو کہاں پاس ہے رسوائی کا

برگ گل[3] سے بھی کم اب کوہ غم اس نے جانا
یہ کبھو دسا تو نہ تھا دل کی توانائی کا

کیجیے چاک گریباں کو بہار آئی ہے
ذکر بے لطف ہے یہاں صبر و شکیبائی کا

سرو ثابت قدم اس واسطے گلشن میں رہا
نہیں دیکھا کبھی جلوہ تیری رعنائی کا

زور منظور نظر تو[4] تو فغاں رکھتا ہے
میں تو بندہ ہوں تیری چشم کی بینائی کا

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں حسب ذیل شعر فاضل ہے

جب تلک آوے نہیں قاصد کو نہ بھیجو
وہ شوخ تو سنتا نہیں پیغام کسی کا

۲؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "ہے" ندارد ۳؎ ایضاً برگ گلشن سے کم ۴؎ ایضاً تو ن

از بسکہ آبلوں سے یہ معمور ہو گیا | دل تو بہ رنگ خوشۂ انگور ہو گیا
کیا دوس دیجیے ترے ناوک جفا کے تئیں | میرے بغل میں شیشۂ دل چور ہو گیا
اب کیا کرے گا اس کو مشاطۂ نگاہ ناز | میرا جگر تو خانۂ زنبور ہو گیا

میں کہہ رہا فغاں کہ جگر کا علاج کر
یہاں تک رہا یہ زخم کہ ناسور ہو گیا

گر انصاف رہ سیر تماشا دلکا | مجھے کب غلامی سے آزاد کرتا
اگر ناشئ عشق شیریں نہ ہوتی | تو کیوں جان کنی اتنی فرہاد کرتا

قطعہ

کہوں اس ستمگر کو ظالم جسے تو | سپرد دم تیغ جلاد کرتا
یکایک گرفتار دست قضا ہو | غرض مر گیا وہ تجھے یاد کرتا

فغاں سچ تو یہ ہے اگر دل نہ ہوتا
ترے واسطے کون فریاد کرتا

کب[لہ] درد سے دل کو تاب آیا | آنکھوں میں کہاں سے خواب آیا
اس دل کی تو یہ آرزو نہ نکلی | منہ دیکھتے ہی حجاب آیا
شاید کہ ہوا ہو خط نمودار | نامے کا میرے جواب آیا

ہے تو یہ شکن وہ چشم میگوں!
پھر لیکے فغاں شراب آیا

نہ پوچھ عشق سے دل سرد یا کیا ہوا | یہ کچھ ہوا کہ میرا خانماں خراب ہوا

لہ یہ غزل وہینہ لائبریری کے نسخہ میں حاشیہ پر لکھی ہے پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ کا حاشیہ کاغذ سے چپکا ہوا ہے

بہا دیا ہے اسے سیلِ اشک ہیں اپنے چشم[1] ہمارا سر نہ ہوا کاسۂ حباب ہوا
رقیب دیکھ میرا حال زار روتا ہے یہ وہ مثل ہے جو کہتے[2] ہیں ننگ آب ہوا
اٹھے[3] تو قتل کر آیا فغاں جو تھا بیمار
بھلا کیا ارے قاتل بڑا ثواب ہوا

تقصیر یہ ہوئی کہ ترا یار ہو گیا میں بے گناہ مفت گنہگار ہو گیا[4]
آنکھیں تو اس کو عین بھی گرنے[5] نہ پائیاں دل خانماں خراب گرفتار ہو گیا
آگہ کرتی[6] ہیں کب ترے خلخال پا ہمیں اپنے نصیب سے کوئی بیدار ہو گیا
اب کیا کوئی کسی سے توقع رکھے فغاں
دلدار تھا میرا سو دل آزار ہو گیا

بوسہ[7] دیا ہے غیر کو کیا کام ہو گیا ظالم ترا عشق تو بدنام ہو گیا
ہے وصل یار مرہم داغ دلِ[8] فگار چھاتی سے جب لگا دہیں آرام ہو گیا

قطعہ

خون دل غریب کو پیتا ہوں ہر سحر لختِ جگر تو آخرش شام ہو گیا
اپنی کہو لے ہم سفرانِ رہِ عدم میرا تو ہر طرح سے سرانجام ہو گیا

---

[1] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں۔ "سے" [2] ایضاً "کہ" [3] ایضاً "تو اس کو نہ قتل کر آیا .... بھلا ہوا میرے قاتل ....." [4] خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں مطلع یہ ہے: آنا ہمارے گھر میں تجھے عار ہو گیا۔ ایسا فغاں کے نام سے بیزار ہو گیا [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہو سکے" [6] ایضاً "آگاہ کیا کریں"۔ [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع مصرع۔ بوسہ دیا فغاں کو یہ کیا کام ہو گیا [8] ایضاً "دل نمک"

کیوں کر نہ شعلہ ہو دلِ بیمار کو فغاں
ہر اشکِ چشم روغنِ بادام ہو گیا

راز دل مجھ سے ہے محرم خویش بیگانہ ہوا — قصہ جانکاہ تھا میرا سو افسانہ ہوا
خاک ہو کر اس سے زیادہ امتحانِ سوزِ عشق — جل گیا دل پر [illegible] میرا پروانہ ہوا
کیوں نہ پیاسے جام تو دیتا ہے اے ساقی [illegible] — مست [illegible] پیمانہ ہوا

ہم بزباں [illegible] آئی فغاں [illegible]
کیوں [illegible] دیوانہ ہوا

ایسی نگاہ کی کہ میرا جی نکل گیا — [illegible] سیدھا سا نکل گیا
قاتل اسی لئے ہوں کہ میرا [illegible] داغ دار — [illegible] کہ جل گیا
[illegible] آئی ہے [illegible] — [illegible] جل گیا

آئی [illegible] فغاں [illegible]
[illegible] نکل گیا

وحشت سے حال دل عاشق نمایاں ہو گیا — دیکھیں [illegible] آئینہ [illegible] حیران ہو گیا

[illegible]

غزل اس طرح ہے:

وحشت سے حال دل عاشق نمایاں ہو گیا — [illegible] ہو گیا
[illegible] — دیکھیں [illegible] آئینہ [illegible] حیران ہو گیا
[illegible] — [illegible] پریشاں ہو گیا
[illegible] — [illegible] ہو گیا

دیکھ اس بت کو پری شیشہ گیا ہو جا کہ جب ۔۔۔ رشتۂ زنار بھی تار رگ جاں ہو گیا
کھولنا مت تو کہیں اپنی گرہ زلف سے ۔۔۔ مجھ دل جب کھلا تجھ سے پریشاں ہو گیا

اے فغاں جب سے ہوا ہے اس پہ پردہ کا گذر
کلبۂ احزان میرا تخت سلیماں ہو گیا

کر دل کیا اے شیخ[۱] دل اب ارادہ دل کشائی کا ۔۔۔ پھر سے رونے کے خاطر پھر دھرا ہے دن جدائی کا
نگاہ سجدۂ مشتاق ہے خاک در الفت ۔۔۔ نہیں مٹنے کا ہرگز نقش میری جبہ سائی کا
گرفتار قفس کب سے پر و بال مریں ہیں ۔۔۔ اسیر دام الفت نام مت لینا رہائی کا
چلا کوسے ستم گر کو دل آفت طلب میرا ۔۔۔ ارادہ پھر لیا بخت نے بخت آزمائی کا

..... چشم میں بخت جگر یا خون دل دیکھا
.... کا سر گدائی کا

رفتہ رفتہ بخت[۲] خوش تو میرا آشفتہ ہوگا ۔۔۔ قدم آنسو جگر کے گا [illegible] ہو گا
کیا عجب ہے گر سنا یا میرے نالے کا جواب ۔۔۔ خبر یار کی قاصد تو [illegible] ہو گا
دیدۂ زخم جگر چاہیے روشن ہو دل ۔۔۔ اے فغاں زخم جگر باعث راحت ہوگا

دیکھنا کیا ہے مرا سلے تو کہاں پا [illegible] کو
وہ بت سبز میرا کان [illegible] ہو گا[۳]

اے زمین تا بہ آسمان دیکھا ۔۔۔ ہم نے تجھ کو کہاں کہاں دیکھا
نہ فقط کار دل اسی کبھی ۔۔۔ قطعہ ۔۔۔ نفس ہی میں تھا قلم رواں دیکھا

۱۔ یہ غزل کتب خانہ [illegible] کے نسخے کے حاشیہ پر ہے جو پنجاب یونیورسٹی کے نسخے میں نہیں۔ مقطع کا دوسرا مصرعہ پڑھا نہیں جا سکا ۔ ۲۔ تذکرہ ہندی "[illegible]" ۳۔ نسخہ [illegible] بہار [illegible] ۴۔ اس غزل کے آخری دو شعروں کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہو گئی تھی [illegible] دونوں مصرعوں کی تصحیح کر دی گئی ہے۔

ایک دم کب ملی ہے فرصت دید — آنکھ بھر کر تجھے کہاں دیکھا
جب تلک ہم رہے چمن میں فغاں — قطعہ تب تلک جور باغباں دیکھا
آگئے دام میں تو واں شب و روز — روئے صیاد مہرباں دیکھا
اب جو آئے قفس سے چھوٹ کے ہم — گل کہاں موسم خزاں دیکھا
کچھ نہ دیکھا چمن میں پھر آ کر
ایک اجڑا سا آشیاں دیکھا

ہوا کب خشک بہتا ہی رہا ناسور آنکھوں کا — نیا رونا نہیں سادھا یہ ہے دستور آنکھوں کا
زیادہ اس سے کچھ چلتا نہیں مقدور آنکھوں کا — کہ رو کر چھوٹ جاویں یہ ہی ہے منظور آنکھوں کا
خدا جانے کہ یہ کس خوش نگہ سے تاک رکھتا ہے — ہمیشہ پھولتا پھلتا رہا انگور آنکھوں کا
یہ دل لے مر وہاں معشوق چشم خوش نگاہاں ہے — رلا دے گا تجھے مت کیجیو مذکور آنکھوں کا
عجب کیا ہے اگر زخم جگر کو فائدہ بخشے — نمک پروردہ ہے آخر یہ اشک شور آنکھوں کا
میرے گریہ کے آگے دیدۂ یعقوب حیراں ہے
عجب . رونے ہی رونے اڑ گیا ہے نور آنکھوں کا

[1] تیر مژگاں ترا سو فرو نہ ہونے پایا — دل پہ درد کا غم خوار نہ ہونے پایا
اے زلیخا غضب آوے تو ترے سوتے نہیں [2] — کوئی یوسف کا خریدار نہ ہونے پایا
کشمکش [3] دام نے لی جان ہماری صیاد — میں قفس میں بھی گرفتار نہ ہونے پایا
نہ ملی شمع صفت مجھ کو فراغت آخر — سر کٹایا پہ سبکبار نہ ہونے پایا
کیجیے جرم بیاں تا کہ وہ تشہیر کرے — اس قدر بھی تو گنہگار نہ ہونے پایا

عـہ ایک لفظ حاشیہ میں کٹ گیا ہے [1] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع سے ع تیر کیا شست سے تھا جو پار نہ ہونے پایا
[2] ایضاً ترے دو کچھ نہیں [3] ایضاً کشمکش دام میں ہے جان ہماری صیاد، میں قفس میں تھا گرفتار نہ ہونے پایا

چشمِ عشاق نے ہرگز نہ تجلی دیکھی لگ گئی آنکھ پہ دیدار نہ ہونے پایا

رات بالیں پہ ترے ہوگیا قاتل دیکھا[۱]
تو فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا[۲]

مشہد طرف مرے گزرے یار کیوں گیا آسودگانِ خاک کو بیدار کیوں کیا
منظور تھی جفا تو ملاقات تھی غلط اتنے لیے کسی کو گنہگار کیوں کیا

ہیں کہہ رہا فغاں تو کہیں مبتلا نہ ہو
بیٹھے بٹھائے دل کو گرفتار کیوں کیا

اڑوں تو پر نہیں رکھتا چلوں تو پا نہیں رکھتا رہا کر یا نہ کر صیاد میں پروا نہیں رکھتا
پلک کے مارتے مردم کو غرقِ بحرِ خوں کردے سرشکِ چشم میں تیری لہر کہ دریا نہیں رکھتا

قطعہ

فغاں کل یار سے اپنے یہ دردِ دل سناتا تھا کہ میں عاشق تو ہوں پر دل میں تیری جا نہیں رکھتا
گرا جو کوہِ غم مجھ پر اسے کیا کوہکن جانے جہاں پھرتا ہوں اس وادی میں مجنوں پا نہیں رکھتا
لگا کر ہاتھ ٹک دیکھو میرے چاکِ گریباں کو کہ یہ وسعت تو ہرگز دامنِ صحرا نہیں رکھتا
جگر کا زخم کاری ہے سرشکِ چشم جاری ہے تجھے کیا چاہیے مجھ سے بھلا میں کیا نہیں رکھتا
فغاں بدمست ہے پی دمبدم خونابۂ دل کو فغاں گردن پہ اپنی منتِ مینا نہیں رکھتا
مکاں کس طرح سے تحقیق ہو خانہ بدوشوں کا
فغاں کا گھر نہ پوچھو آشیاں عنقا نہیں رکھتا

ہے غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا[۳] نہ تو یوسف ہی رہا واں نہ خریدار رہا

---

۱ ایضاً رات بالیں پہ میرے آ باد قاصد دیکھا ۔ فغاں خواب سے بیدار نہ ہونے پایا ۲ اس غزل کے بعد پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پہ ایک غزل لکھی ہے جس کا کچھ حصہ جلد بندی میں کٹ گیا ہے۔ اس لیے پوری غزل صاف پڑھی نہیں جاتی
۳ یہ غزل کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ کے حاشیہ پہ تھی۔

شب خدا جانے کہاں تھا میرا خورشید لقا　　شام تک سر پہ میرے سایۂ دیوار رہا
چھوڑا یارانِ چمن کنجِ قفس سے نکلے　　ایک میں دام تہِ بال گرفتار رہا

زندگی یہ ہے اگر عمر کٹے یار کے ساتھ
کون جیتا ہے اگر دل کو نہ ارمان رہا

ابھی مٹا نہیں دھبّا ستم رسیدوں کا　　کفن بچا نہیں میلا ترے شہیدوں کا
بہائے خون شہیداں تجھے معاف کیا　　کہ سر لیا تو لیا حق ان رسیدوں کا
برنگ لالہ بسمل ہوئے ہیں کشتۂ عشق　　کسی نے غم نہ کیا داغ خون چکیدوں کا
دہن کو دیکھ ترے ہونٹ چاٹنے لگے　　پھرا نہ قند سے منہ چاشنی چشیدوں کا

دل غریب کو کیا کیا بلا دکھا نہ چکے
فغاں ہیں جان سے دشمن ہوں اپنے دیدوں کا

میرے[۱] صنم کو مگر شیخ کیا نہیں دیکھا　　غلط ہے یہ کہ کسی نے خدا نہیں دیکھا
جفا و جور و سب و شتم وفا و مہر و کرم　　ابھی ہوئیں کہ ان آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا

کہیں نگاہ پڑے گی تو جان جائے گا
خدا کے واسطے آنکھ سے ہٹا نہیں دیکھا

سر کو فدا سے خنجر بیداد کر چکا　　پہنچا ہیں اپنی داد کو فریاد کر چکا
گو بزم غیر میں نہیں لایا زباں پہ نام　　دل میں ہزار بار تجھے یاد کر چکا
شوخی کو اس کی دیکھ کے کہتی ہیں مردمک　　طفل اشک خدمت استاد کر چکا
شاداں خدا کرے تو کرے اس اول کو　　دل شاد ہو چکا وہ اسے شاد کر چکا

---

۱ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ میں یہ غزل بہت ہی غلط لکھی ہوئی ہے۔ مثلاً اس کا پہلا مصرعہ اس طرح درج ہے
میرے صنم کو مگر شیخ آ نہیں دیکھا ۔ ایضاً غلط ہے یہ کہ کسی نے خدا نہیں دیکھا ۔ ایضاً ابھی ہوئی ہے
آنکھوں نے کیا نہیں دیکھا ۔

کوئے ستمگراں میں نشان فغاں کہاں
اس مشت خاک کو کوئی برباد کر چکا

مجھ کو تیری گلی سے اٹھایا تو کیا ہوا　　اس خاک کو کسی نے اڑایا تو کیا ہوا
ممکن نہیں کہ تار نگہ بند ہو رفو　　چاک جگر کسی سے سلایا تو کیا ہوا

ہم کو تو وصل و ہجر مساوات ہو گیا
آیا تو کیا ہوا جو نہ آیا تو کیا ہوا

مت قصد کر صبا تو دل داغدار کا　　ظالم یہ ہے چراغ کسی کے مزار کا
رنگ حنا نہیں کف پا پر ترے ہے یہ　　پامال خوں کیا ہے کسی خاکسار کا

رکھتا ہے وصل میں در و دیوار پر نظر
تجھ کو مزا پڑا ہے فغان انتظار کا

نہیں پہاڑ اے ہوا دکھلانے کو یاں جی ہے پھٹنا　　یہیں تو گور میں بھی چاک کرتا ہے کفن اپنا
خدا کے واسطے شیریں تو نام شیریں کا　　کوئی سر پھوڑ ڈالے گا ابھی خسرو کو کہنا اپنا

یہاں تک کون پہنچا دل نہ قاصد ہے فغاں کل
اگر کچھ ہو نہ تا ہے تو نہیں سنتا سخن اپنا

میرا سر گیا ترے ہاتھوں سے قتل کا ہے ٹھکانا　　و لیکن دل کا کب تجھ سے بھلا پھیر لینا
نکالے ہاتھ تو میرا گریبان گیر ہوتا ہے　　معاذ اللہ اگر دامن ترا اے سیم تن چھٹتا

جنوں کرتا فغاں گیر دستگیری بعد مرنے کے
تو پھر حسرت کا مارا کا کس ارمان سے یہ کفن پھٹتا

---

۱۵ نسخہ خان بہادر ... تذکرہ ہندی ... و گلشن بےخار ... نسخہ خان بہادر ...
ع میرا دل تیرے ... لیکن دل میرا کب تجھ سے ... دامن چھٹتا ... معاذ اللہ اگر ...
ہاتھ سے ساقط ... چھٹتا

حرماں میں یہ دل[1] تجھ کو کیا یاد بہت رویا — جب وصل ہوا حاصل ہو شاد[2] بہت رویا
سن کوہ و بیاباں میں شہرہ میری وحشت[3] کا — مجنوں تو بہت پیٹا فرہاد بہت رویا
قطرہ بھی فغاں خون کا باقی نہ رہا تن میں[4]
منہ دیکھتے ہی میرا جلاد بہت رویا

قاتل بھی مجھ کو دیکھ کے بیتاب ہوگیا — فولاد کا جگر بھی یہاں آب ہوگیا
مت رکھ خیال ہستی ناپائدار پہ — جب آنکھ موند لی تو یہ سب خواب ہوگیا
پہنچوں میں کس کے ہاتھ دل داغدار کو — خواہاں ہماری جنس کا نایاب ہوگیا
پایا نہ ایک لخت کا میں نے نشاں فغاں
کیا پارۂ جگر میرا سیماب ہوگیا

آج کیا خون بہایا کسی فریادی کا — کچھ زیادہ ہوا شہرہ تیری جلادی کا
دسترس میری اگر ہو ترے داماں تلک — جیب تک ہاتھ نہ پہنچے کسی فریادی کا
آج نہیں دختر رز کے تئیں کل دیں گے طلاق
ہم کو ہے شیخ ارادہ تری دامادی کا

کہوں کیا لطف ہے جی کا ارادہ دلکشائی کا[5] — مرے رونے کی خاطر پھر دھرا ہے دل حنائی کا
گواہ سجدۂ عشاق ہے خاک در الفت — نہیں مٹنے کا ہرگز نقش میری جبہ سائی کا
گرفتار قفس کو ہے پر و بالی مزیب ہو — اسیر دام الفت نام مت لینا رہائی کا
چلا کوئی مگر کو دل آفت طلب میرا — ارادہ پھر کیا کم بخت نے بخت آزمائی کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تجھ کو" [2] ایضاً "کہ یاد" [3] ایضاً۔ قطرہ بھی کہیں تن میں خون کا نہ رہا باقی [5] یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر تھی۔

فغاں اس چشم میں لخت جگر یا خون دل دیکھا
کبھی خالی نہ پایا ہم نے یہ کاسہ گدائی کا

خدا کے واسطے قاتل تو[1] انفعال نہ کھینچ   تیری بلا[2] سے میرے سر پہ جو ہوا سو ہوا
وہ کون شخص ہے جو چشم تر نہیں رکھتا
فغاں خدا سے ڈر اتنا نہ رو ہوا سو ہوا

ہوا آخر وہی جو کچھ مری قسمت میں ہونا تھا   کوئی کہتا ہے جادو تھا کوئی کہتا ہے ٹونا تھا
تجھے ہر صبح ہنسنا تھا تجھے ہر شام شادی[4] تھی   مجھے ہر روز جلنا تھا مجھے ہر[3] رات رونا تھا
سحر ہوتے ہی دیکھا یار کو[6] بالیں پہ اس کے
فغاں[5] کیا سو گیا رو رو کے ہے ظالم نہ سونا تھا

دشمن ہے محتسب دل خانہ خراب کا   چھوٹے[7] نہ اس کے ہاتھ سے شیشہ شراب کا
جاری ہے میرے گوشۂ داماں سے سیل اشک[8]   تر اس قدر ہے کاہے کو دامن سحاب کا
لیجا ہو تو خاک فغاں کی وہاں صبا
مشہد ہے جس طرف[9] کو میرے بو تراب کا

دل ان زلفوں میں پھنس کر کیا کرے گا   یہ کالا ناگ ڈس کر کیا کرے گا
تبسم کر کے کیا غنچہ نے پایا   گرفتہ دل تو ہنس کر کیا کرے گا
ارادہ دیکھیے قاتل کا کیا ہے   کمر کستا ہے کس کو کیا کرے گا
خمار آخر کو ہے بادہ کشی میں   ارے میخوار بس کر کیا کرے گا

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "اب" ۲؎ ایضاً تری بلا میرے سر پہ ۳؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "روز"
۴؎ ایضاً "کون" ۵؎ ایضاً فغاں کیا سو گیا رو رو کے او ظالم نہ سونا تھا ۶؎ ایضاً "یہ" ۷؎ ایضاً
پہنچا ہو ۸؎ ایضاً علیہ ۹؎ ایضاً کون

صنم تو رام نہیں ہوتا فغاں سے
الٰہی دل ترس کر کیا کرے گا

اگر عاشق کوئی پیدا نہ ہوتا ——— تو معشوقوں کا یہ چرچا نہ ہوتا
گریباں چاک کر روتے کہاں ہم ——— اگر یہ دامن صحرا نہ ہوتا
سدا رہتی تو خوش بلبلوں کی ——— اگر یہ غنچۂ گل وا نہ ہوتا
جدائی میں اگر آنکھیں نہ روتیں ——— تو ہرگز راز دل افشا نہ ہوتا
فغاں کون اب تمسخر اڑاتا
اگر یہ حضرت سودا نہ ہوتا

دل کو ناز و نیاز میں پایا ——— کس نے شب دراز میں پایا
دل سے محمود کے کوئی دیکھے ——— اس نے کیا کچھ ایاز میں پایا
دیکھ کر شیخ جی کے اٹھنے کو ——— یہ تحجر نماز میں پایا
بے سبب شمع کب جلے ہو فغاں
لطف سوز و گداز میں پایا

جیسے ساقی کا نشاں مجھ سے چھپایا نہ گیا ——— خط تقدیر یہ قضا سے تھا کہ مٹایا نہ گیا
حیف صد حیف کہ اس بزم سے یاں آخر کو ——— چل بسے وہاں کہ جہاں سے پھر آیا نہ گیا
نہ ہوا سوزن مژگاں سے رفو چاک جگر
چھن گیا میرا کلیجہ پہ سلایا نہ گیا

میں اگر آرزوئے وصل میں مر جاؤں گا ——— حسرت دل کو بھلا لیکے کدھر جاؤں گا

له اشرف خان بہادر متخلص فغاں۔ دل میں کہہ ایضاً "ادل" بجائے "ناز" درج ہے۔ اکیجو شیخ جی کے اٹھنے کو یہ تحجر
نماز میں پایا۔ جو غلط ہے کہ ایضاً بے سبب کب جلے ہے شمع فغاں

روسیاہ ہوں میں ترے قتل نہ کرنے پہ ظالم لیک ترا نام نکالوں گا جدھر جاؤں گا
میں تو اس آہ کی دھوم میں مانند سحاب دل بھر آیا ہوں بدیدہ تر جاؤں گا
ز خط رہ ترے مقتول کو دکھلا دینا گو میں لیکے بھی لخت جگر جاؤں گا

آتش عشق نہ کم ہووے دم آخر تک
شمع ساں آگ میں فغاں سر سے گذر جاؤں گا

فتادگان رہ عشق کو اٹھا لینا رکھی ہے آبرو دعا ئے شکستہ پا اپنا
تجھے تو شیشہ گری چاہیے مگر دل کی اگر یہ ٹوٹ گیا ہو تو پھر بنا لینا
کہاں تلک ترے پاؤں پہ دل مرا لوٹے خدا کے واسطے چھاتی سے تک لگا لینا
غبار خاطر آزادگاں ہو اے نقش فرش جبیں رہا ہی تو نقش بوریا لینا
معاش یہ ہے کہ نت خون دل کو پیتا ہوں جو آ گیا کوئی لخت جگر تو کھا لینا

فغاں یہ ننگ ہے یا اللہ عشق بازی کا
جو دل کو ہار کے جیتے تو پھر کیا لینا

جب تک جیا یہ صید کمند گلا رہی رہا مرنے تلک قفس میں گرفتار ہی رہا
چاہا بہت کہ خانۂ دل میں ہو گوشہ گیر لیکن حد تک نالۂ تیرا پار ہی رہا
کب چھوڑتا قدم کو ترے لیک کیا کروں مانند نقش پا کے میں نا چار ہی رہا
پالا ہی میں نے دشمن جانی بغل کے بیچ دل خانماں خراب مجھے مار ہی رہا
یہ ہی غلط کہ گریہ نہ تا انسر ہو میں تو مدام تشنۂ دیدار ہی رہا

قطعہ

سوئے شب فراق میں آرام سے فغاں یہ ہی خیال عشق دہ بیدار ہی رہا
کافر ہو گر پلک سے لگی ہو کبھی پلک

تکتا ہوا سدا در و دیوار ہی رہا

ہے غلط گرم سدا مصر کا بازار رہا[۱]
نہ تو یوسف ہی رہا واں نہ خریدار رہا

شب خدا جانے کہاں تھا مرا خورشید لقا
شام تک سر پہ مرے سایۂ دیوار رہا

ہم نوایان چمن کنج قفس سے نکلے
ایک میں طائر بے بال گرفتار رہا

زندگی تھی اگر عمر کٹی یار کے ساتھ
کون جیتا ہے اگر دل کو نشاں مار رہا

بہار آئی ہے سوتے کو ٹک جگا دینا
جنوں ذرہ مری زنجیر کو ہلا دینا

ترے لبوں سے اگر ہو سکے مسیحائی
تو ایک بات میں جیتا ہوں میں جلا دینا

اب آگے دیکھیے جیتوں نہ جیتوں یا قسمت
مری بساط میں دل ہے اسے لگا دینا

رہوں نہ گرمیٔ مجلس سے میں تری محروم
سپند وار مجھے بھی ذرہ تو جا دینا

خدا کرے تری زلف سیہ کی عمر دراز
کبھی بلا مجھے لینا کبھی دعا دینا

برنگ غنچہ زر گل کے تئیں گرہ مت باندھ
نشاں جو ہاتھ میں آوے اسے اڑا دینا

بام پر اپنے کھڑا وہ خانماں آباد تھا
قہر تھا، طوفان تھا، بے طرح تھا، بیداد تھا

میں نے طفلی میں بھی گہوارہ نہ دیکھا جز قفس
کب کھلے تھے بال و پر یہ صید کب آزاد تھا

دیکھ مجھ کو موم ہوگئی ہاتھ میں قاتل کے تیغ
آب کر ڈالا اسے جس کا جگر فولاد تھا

۱؎ اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر یہ دو شعر لکھے ہوئے ہیں:

شور ہے آمد آمد گل کا
یہ تو غل جان لے گا بلبل کا

بغیر خواہش سبھی بیا ہے
زور اسباب ہے توکل کا

کیا فغاں سے پوچھتے ہو کون تھا حضرتِ ندیم
پیر تھا، مرشد تھا، ہادی تھا، میرا استاد تھا

جب گلشنِ بہار کو رنگِ خزاں نہ تھا
مشفق ہمارے حال پہ تو مہرباں نہ تھا
دل بستگی قفس سے یہاں تک ہوئی مجھے
گویا میرا چمن میں کبھی آشیاں نہ تھا
دیر و حرم تلک تو فغاں سیر کر چکے
یہ ہے غلط کہ یار ہمارا کہاں نہ تھا

ہمیں نے دیر کے ساکن نہ کی کعبہ میں جا پیدا
الٰہی ہم نے اس دنیا میں آ کر کیا کیا پیدا
موئے ہم اس تمنا میں نہ نکلی آرزو دل کی
کہ جب پایا اسے تنہا ہوا ایک آشنا پیدا
لکھی از بس فغاں تعریف اس کے دستِ رنگیں کی
کیا اوراقِ دیواں نے مرے رنگِ حنا پیدا
یہاں تک نغمہ سازی میں تو کی ہم نے زباں پیدا
نوا دی بے نواؤں کو کیا نے نے فغاں پیدا
گذر ہے ناقۂ لیلیٰ کا شاید خاکِ مجنوں پہ
ہوئی اس دشت میں پھر آج گردِ کارواں پیدا
نہ لگتا ہے اسے مرجاں نہ لعلِ بدخشاں بھی
کرے گی کون سا یاقوت چشمِ خوں فشاں پیدا
وفا یہ کس کو آتی ہے جفا یہ کس کو بھاتی ہے
ہوا مجھ سا کہاں خلقت ہوا تجھ سا کہاں پیدا
مزارِ کشتۂ الفت زیارت گاہِ عالم ہے
کیا اس طرح سے آخر فغاں نام و نشاں پیدا

(ب)

کون کہتا ہے ہماری چشم[1] میں آتا ہے خواب
یہ تو وہ آنکھیں ہیں جن کو دیکھ اڑ جاتا ہے خواب
کیوں اٹھا دیں سر کو بالیں سے شبِ تنہائی ہم
خاک بیداری میں کیا کیا لطف[2] دکھلاتا ہے خواب

---

[1] نسخۂ خان بہادر میں "کون" [2] ایضاً

کچھ نہ کچھ ہو جائے گا غافل نہ کر اتنا گماں — دیکھ بہاری غنیمت ہے کوئی آنا ہو نہ ہو

یہ خیال اے شام کو صبح نہیں سوتا ہی کو خیال
اشک ... آنکھ ... نہیں ... لب پا آ ہو نہ ہو

عشق ... ہم ... کمال ... تھا — شمع ... دامن ... جمال ... تھا
تیری ... زبان ... تھا — ... اپنی زبان ... تھا

[illegible]
[illegible]

(ت)

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

[illegible]
[illegible]

[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]
[illegible] — [illegible]

---

۱ کتب خانہ الاصلاح ، پنجاب یونیورسٹی اور دانا پور ... کے نسخوں میں ... [illegible]
تذکرہ ... اس غزل کا مقطع ... درج ہے ... [illegible]
قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی ... [illegible]

جب دوری کا ایام کہ فصلِ خزاں پر دل میں — بادہ خوشامد سے آخر کریں دیکھ ہوشیار

چشم نرگس نے شرارت کی کبھی ہو گلشن میں آرام — بلبلیں پر کرتی ہیں قدر یہ نرگس بیمار مست

آنچ لالہ نے کی داغ کا کچھ نہ تھا چمن کا افسانہ میں — اے شمع میں پاؤں پر جب سے چشم میں خار

اے شمع یہ حسن کا آم ادھر کا تیرا انگشت نگہ

کیوں نہ کہ بیمار نرگس کا ہوا اک یار مست

میرا ہر روز ... سکتا ہوں کیا قدر — کوئی ایسے جب آج رو سکتا ہوں کیا قدر

شیدا ہوا ... لکا تیرا — کوئی اس قدر ... ہو سکتا ہوں کیا قدر

نصیب روئیں گے شمع میں کے لئے

پیسے ... سے رو سکتا ہوں کیا قدر

گلشن میں ... ہی کچھ خدا کی قدرت — ہم ... ہی خدا کی قدرت

دل کو ... — کیا ... ہی خدا کی قدرت

... — ہم ... ہی خدا کی قدرت

... الٰہی ...

سر ... ہی خدا کی قدرت

(قطعہ)

دام گیسو میں پھنسا جا کے مرے یار جیسے — دل آزاد ہوا تو گرفتار جیسے

جانے یہ عشق نے ... — حال ... درد ہوا ...

۱۔ نسخہ خان بہادر ... " ... " ... " ... ایضاً " ... ایضاً ... ایضاً

" ... ایضاً " ... نسخہ خان بہادر ... " ... "

ایضاً " ... ایضاً ... [illegible] (۴)

بے گناہوں کو کرے قتل تو وہ ظالم ہی
تجھ سے رکھتا ہی توقع یہ گنہگار عبث

قطعہ

ایک دن شیخ و برہمن سے فغاں کہتا تھا — کعبہ و دیر کی تم کرتے ہو تکرار عبث
خوب دیکھا تو مرے رشتۂ الفت کے حضور
تیری تسبیح غلط ہی تیرا زنار عبث

(ج)

ناصح نہ منع[1] کر تو مجھے عاشقی سے آج — ایسا خیال کوئی[2] نکلتا ہی جی سے آج
قاتل تو ہی[3] کہاں ہی نمک داں کو وا کرے — کرتا ہی شور زخم جگر تشنگی سے آج
یارو میرے مزار پہ آوے اگر وہ گل — پھولا نہ میں سماؤں کفن میں خوشی سے آج
آنکھیں پر اشک سینہ پہ آتش جگر کباب
حاصل یہ کچھ ہوا ہی فغاں عاشقی سے آج

قطعہ
لیتا نہیں ہی تو[4] جو فغاں کا سلام آج — منہ دیکھ رہ گیا ہی ترا یہ[5] غلام آج
کرتا ہوں میں جناب[6] الٰہی میں یہ دعا — آجاوے اے خدا وہ میرا خوشخرام آج
یعنی یہ کہوں که اب تو ذرہ گوش دل سے سن — بیدرد ہو چلا ہی یہ قصہ تمام آج

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تیغ" ۲ ایضاً "کیونکہ" ۳ ایضاً "میرا" ۴ ایضاً "تو نہ" ۵ ایضاً "یہ میرا" ۶ ایضاً "کرتا ہوں یوں جناب"

کیا پوچھتا ہے جان نکلنے کی تو خبر
ساعت ہیں کوئی دم ہیں ابھی صبح و شام آج

خدا کسی کو کسی کا نہ اب کرے محتاج — خصوص جو تیرا محتاج ہو مرے محتاج
فغاں[2] کے تئیں نہ بلایا نہ لطف فرمایا — قطعہ — یہی سنا ہیں زباں سے کہ جا پرے محتاج
وفا[3] رو سیہ جو پھر آیا تو مت ملامت کر — غرض بری ہے میری جان کیا کرے محتاج
نہ التفات نہ مہر و وفا نہ لطف و کرم — قطعہ — غلط ہے اس کی سخاوت کا غل اے محتاج
ہمیں تو خاک نہ دے گا وہ از بہت ہیں
جو یہ ہے حاتم طائی تو ہم ترے محتاج

(ح)

رفو نے داغ جگر کو چھپا دیا ناصح — میرے چراغ کو ناحق بجھا دیا ناصح
نہ وہ تپاک نہ جوشش نہ اتحاد نہ ربط — غضب کیا اسے کیا کیا سکھا دیا ناصح
رفو کرے تھا جسے تو ہزار محنت سے — ہیں تار تار اس کو اُڑا دیا ناصح
ضرور کیا ہے نصیحت میں آئے یار کا نام — مجھے تو ہنستے ہی ہنستے رلا دیا ناصح
وہی جنوں وہی دیوانگی وہی وحشت
نصیحتوں کو فغاں نے بھلا دیا ناصح

(خ)[4]

---

[1] ایضاً کسی [2] ایضاً کیسے فغاں کو بلا کر نہ لطف فرمایا [3] ایضاً یہ رو سیہ پھر [4] پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخے کے حاشیہ پر ایک غزل کا مطلع یہ ہے "ہوا ہے نشتر مژگاں سے یہ جگر سوراخ
کہاں خانۂ زنبور اس قدر سوراخ" مگر جلد بندی سے اس کے کچھ حصے ایسے کٹ گئے ہیں کہ پوری غزل نقل نہیں کی جا سکتی

ہم تو مرتے ہیں تڑپتے ہوئے زنداں کے[51] بیچ — مفت لٹتی ہے بہار آج گلستان کے بیچ
ہے زیادہ یہ میرا زخم جگر اے قاتل — دیکھیو ون نہ کم ہووے نمکدان کے بیچ[52]
مسکرانا ترا کیا کم ہے میاں[53] تیغ نہ کھینچ — کیا مزا جی نہ نکل جائے گا[54] اس آن کے بیچ
موئے سر صاف دیوانوں کے[55] نظر آتے ہیں — کیا مگر خاک نہیں آج بیابان کے بیچ
یاد کر گوشۂ داماں کو اس ظالم کے — سخت الجھا ہے میرا دست گریباں کے بیچ

غل اٹھا مصرعہ حشمت کا فغاں زنداں میں[56]
پھیر زنجیر کی جھنکار پڑی کان کے بیچ

چمن کو چھوڑ کے بلبل مرے[57] قفس کے بیچ — خدا کسی کو نہ ڈالے کسی کے بس کے بیچ
رہا نہ قیس جہاں میں نہ ناقہ لیلے — کسی کی دے کے صدا رہ گئی جرس کے بیچ

قطعہ

دل حزیں میرا نالاں ہے یوں[58] لگا کہنے — پڑا ہوں میں تو فغاں کس برے کے بس کے بیچ
اگرچہ میں خاک بھی ہو جاؤں راہ میں اس کی — کہاں ہے رحم و کرم میرے دادرس کے بیچ

جو سر بلند ہوں دریائے عشق میں آ کر
حباب وار خرابی ہے ایک[59] نفس کے بیچ

---

[51] یہ شعر چمنستان شعرا (ص ۲۹۴) میں اس طرح درج ہے۔ ہم تو مرتے ہیں تڑپتے پڑے زنداں کے بیچ + مفت لٹتی ہے بہار آہ گلستان کے بیچ۔ [52] نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ یہاں [53] ایضاً کیا مری جان نکل جاویگی اس آن کے بیچ' چمنستان شعرا میں وہی مصرعہ ہے جو دیوان میں ہے' مرنہ جائیگا کے بجائے "جاوے گا" ہے [54] چمنستان شعرا دوا نے [55] نسخہ خان بہادر محمد شفیع غل اٹھا مصرعہ حشمت کا درزنداں میں + پھر زنجیر کا جھنکار پڑا کان کے بیچ' چمنستان شعرا میں دوسرا مصرعہ اسطرح ہے۔ پھر ہے زنجیر کی جھنکار مرے کان کے بیچ۔ خان بہادر محمد شفیع کے نسخہ اور چمنستان شعرا میں اس غزل میں ایک اور شعر یہ ہے میرے دلدار کو جو خواب میں دیکھے یوسف + شرم سے ڈوب مرے چاہ زنخدان کے بیچ [56] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "موئے" [57] ایضاً یوں ندارد [58] ایضاً "یک"

تڑپے ہے دست پھر کسی آرزو کے پیچ[1] ناصح نہ دیجیو ہرگز رفو کے پیچ
داؤد کا بھی لحن فراموش ہو گیا اے نے بلا ہے درد ہے تیرے گلو کے پیچ
قاتل کا دادخواہ میں کیونکر ہوں حشر میں
لہو ہو میرا بہا ہے ویا شست و شو کے پیچ[2]

(د)

چمن میں آج تو سنتا ہے اے فغاں فریاد اجڑ گیا کسی بلبل کا آشیاں فریاد
غلط ہے یہ کہ میری داد کو کوئی پہنچے سنے[3] گا کون تیری کیجے کہاں فریاد

قطعہ

نہ مجھ سے پوچھ تیری کس طرح کٹیں[4] راتیں شب فراق میں یہاں تک تو کی فغاں فریاد
سحر کو یار سے اہل جوار کہتے ہیں کیا کرے ہے یہ بیمار ہر زماں فریاد
انہیں تو داد[5] ہے منظور مجھ کو نالہ کشی
ہوئے ہیں باعث ایذا یہ دوستاں فریاد

(ر)

لکھنا[6] اے نامہ بر درو دیوار یار پر گذرا جو کچھ الم[7] دل امیدوار پر
مرتا ہوں زلف و عارض گلگوں یار پر ٹک چشم وا کرو میرے لیل و نہار پر

[1] پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر ایک غزل ہے جس کے قوافی در دیف تصویر کھینچ شمشیر کھینچ ہیں مگر جلد بندی میں حاشیہ کے کٹ جانے سے پوری غزل پڑھی نہیں جاتی [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کسو" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع سے کون کہاں کیجیے پڑے فریاد [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کٹے" اس نسخہ میں اس کا دوسرا مصرعہ یہ ہے: کیا کرے ہے یہ بیمار ہر زماں فریاد [5] ایضاً درد [6] مجموعہ نغز لکھ رکھیو [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ستم"

ممکن نہیں کہ غیر نہ ہووے[1] رکاب میں — تجھ کو خدا نہ لاوے ہمارے[2] مزار پہ
صحرا میں جا[3] اسے کوئی پامال مت کرو — مجنوں[4] کا جسم رہا ہے لہو خار خار پہ

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
اتنا نہ[5] تھا گمان ترے صبر و قرار پہ

برابر[6] ہو گیا حرماں سے دیکھا وصل یار آخر — یہ کچھ لایا ہماری چشم اوپر انتظار آخر
میری آنکھوں میں اشک سرخ مثل گل شگفتہ تھے — پلک کے مارتے ہی ہو گئی فصل بہار آخر
اگرچہ ساغر چشم بتاں رکھتا ہے کیفیت — پر اس بادہ کسی کا کھینچنا ہم کو خمار آخر
توقع کیا رکھے کوئی کسی سے اس زمانہ میں — ہوا ہے دشمن جانی وہ میرا دوستدار آخر

کیا ہے چاک جیب صبر کو دست تمنا نے
فغاں کیا ہو گیا وہ وعدۂ بوس و کنار آخر

آج[7] تو سنتا ہوں گلشن کے لٹانے کی خبر — آہ کیوں کر دوں میں اپنے آشیانے کی خبر
دیکھتا ہوں کچھ غبار آلودہ گرد دل کے تئیں — کیا اسے پہنچی ہے میرے خاک اڑانے کی خبر

پی کے اشک چشم کھا لخت جگر رہتا ہوں سیر
گو نہ لے[9] صیاد میرے آب و دانے کی خبر

بغیر ساقی یہ ابر ظالم ستم کرے گا برس برس کر — بھرے ہیں کیوں لا کے یہ ساغر مے مرینگے میکش ترس ترس کر
یہاں تلک تو بہا ترا خوں ہوا ہے جامہ تمام گلگوں — گیا وہ قاتل تڑپ چکا تو اے مرغ بسمل اب آگے بس کر

---

[1] مجموعۂ نغز نہ ہووے میں [illegible] مجموعۂ نغز [illegible] [illegible] [2] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں "جا" ندارد
[3] ایضاً مجنوں کا جسم [illegible] لہو خار خار پہ [4] ایضاً [illegible] [5] اتنا [illegible] تھا ترے صبر و قرار پہ گل رعنا
(ص [illegible]) [6] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر اس طرح ہے: [illegible] ہو گیا حرماں سے میرے یار کا [illegible] یہ کچھ لے آیا [illegible]
مری چشم اوپر انتظار آخر [illegible] [7] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع - دام [illegible] گلشن کے جلانے کی خبر [8] ایضاً [illegible]
[9] ایضاً گو نہ لے صیاد اس نسخہ میں ایک شعر فاضل ہے [illegible]
[illegible] دانے کی خبر

نہ اشک آنکھوں میں اب رہ گئے جگر کے ٹکڑے بھی کب رہ گئے
سحر چلے گا یہ قافلہ سب فغاں دل اپنے کو تو جرس کر

شب فراق میں دیا جگر کو داغ ضرور — جہاں ہے خانۂ تاریک واں چراغ ضرور
کیا ہے قافلہ اشک کو رواں میں[۵۱] نے — دل غریب کا لینا مجھے سراغ ضرور
بجا ہے جوشش دل[۵۲] تیری چشم میگوں سے — کہ رند کوے خرابات کو ایاغ ضرور
عجب نہیں کہ نہ ہو اشک میری آنکھوں میں — مریض عشق کو ہے[۵۳] خشکی دماغ ضرور
تیری گلی میں رہوں[۵۴] چمن سے کیا مطلب
ترے فغاں کو تو چنداں نہ سیر باغ ضرور

کرتا ہے دمبدم میری آنکھوں میں[۵۵] آب گھر — تیری[۵۶] بلا سے گر ہو کسی کا خراب گھر
ہوتا اگر نہ خانہ خرابی میں[۵۷] کچھ مزا — کاہے کو بحر بیچ ڈبوتا حباب گھر
اس واسطے نہ یہاں کوئی آتا ہے خوب رو
مشہور ہے فغاں تیرا خانہ خراب گھر

(ز)

یہ امتحان نہ کرلے میرے[۵۸] مہربان عزیز — کوئی[۵۹] جہاں میں تجھ سے رکھے گا جان عزیز
نہ ارتباط[۶۰] نہ انصاف نہ سخن نہ شنوی — یہ کیا ستم[۶۱] ہے کہا بھی کسی کا مان عزیز

---

۵۰ ایضاً "کون" ۵۲ ایضاً یوں ۵۳ ایضاً " ۵۴ ایضاً کون ۵۵ ایضاً "سے" ۵۶ ایضاً
"اس کی بلا سے" ۵۷ ایضاً "کا" ۵۸ ایضاً میرے مہربان "تذکرہ حسن مرے"
۵۹ تذکرہ میر حسن۔ جہاں میں کوئی تجھ سے رکھے گا جان عزیز، نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ کوئی
جہاں میں رکھے ہے تجھ سے جان عزیز ۶۰ ایضاً انبساط ۶۱ ایضاً یہ کیا ستم ہے کسی کا کہا ہی مان عزیز

کہاں امید کہ جیتا پھرے میرا قاصد
اسے تو کب ہی میرے نامہ بر کی جان عزیز

ہی آرزوئے گریہ مجھے چشم تر ہنوز — نکلا نہیں ہی قطرۂ خون جگر ہنوز
وہ کشتنی ہوں میں کہ میرا یار بعد قتل — ضد سے تو کھولتا نہیں اپنی کمر ہنوز

آ خاک پہ کھے ہی میری استخوان کو دیکھ
اس لئے ہیں رہ گیا ہی فغاں کا اثر ہنوز

(س)

مرگیا سر کو پٹک کر کون گرفتار قفس[۱] — کس کے لوہو سے ہی گلگوں در و دیوار قفس
جی نکل جائے میرا کشمکش دام میں کاش — نہ گرفتار چمن ہوں نہ گرفتار قفس[۲]
خانۂ مرغ گرفتار تو آباد رہے ہی — یا الٰہی نہ لٹا دے کوئی بازار قفس

جور صیاد سے کیا شرط وفا کی یہ ہے
پھر آزاد نہ ہووے یہ گرفتار قفس

ناقہ لیلیٰ صدا دیتی رہی واد جرس — اے دل نالاں ہوئی ضائع نہ فریاد جرس
ایک دن سونے نہ پایا دشت میں مجنون غریب — نت جگاتا ہی رہا ہو خانہ برباد جرس

اے فغاں پہنچا ہی کیا صدمہ کہ یہ خاموش ہی
اس دل نالاں کو میں سمجھوں تھا استاد جرس

(ش)

نہ میں جفا سے خفا ہوں نہ میں وفا سے خوش — نہ کچھ ہی یہ دل محزوں تیری رضا سے خوش[۳]

---

[۱] ایضاً مرگیا سر کو پٹک کر کے گرفتار قفس، کس کے لہوؤں سے ہیں رنگین در و دیوار قفس [۲] ایضاً قفس [۳] ایضاً تیری ادا سے

(ص)

کبھی نہ گل سے محبت نہ بو سے ہے اخلاص ۔۔۔ تجھے بھی دہر میں ظالم کسو سے ہے اخلاص
خدا کے واسطے اس سے ہاتھ اٹھا ناصح ۔۔۔ نہ میرے چاک جگر کو رفو سے ہے اخلاص
موافقت کہاں ساقی مناسبت ہی شرط ۔۔۔ تجھی تو شیشۂ دل کو سبو سے ہے اخلاص
ہوا ہے آہ شرر بار سے ترے ثابت ۔۔۔ فغاں تجھے تو کسی شعلہ رو سے ہے اخلاص

(ط)

خاکساری نہ میری ہو میرے اللہ غلط ۔۔۔ نقش پا تو میں ہوا ہوں نہ کرے راہ غلط
کس[1] کی قدرت کہ جو بولے کوئی واں حرف غرور ۔۔۔ جانتا ہے وہ میری عجز کو ہر[2] گاہ غلط
شاہد حال ہے یہ مصرعہ امید فغاں ۔۔۔ قطعہ ۔۔۔ کاہے کو بولتے ہیں مردم آگاہ غلط
اول عشق میں ناحق مجھے اخراج کیا ۔۔۔ بعد آیا تو عبث فائدہ باللہ غلط
اب مجھے دیوے اذیت تو سزا ہے میری
کردہ ایں مرتبہ ہم بندۂ درگاہ غلط

(ظ)

تمہارے جور سے گو غیر کم ہوئے محظوظ ۔۔۔ جو ہم سے پوچھتے ہو تم تو ہم ہوئے محظوظ
ہزار بار میری تشنگی کے کام آئے ۔۔۔ تری تو تیغ سے ہم دمبدم ہوئے محظوظ
ہوا ہے وا تری شمشیر[3] سے خط تقدیر ۔۔۔ شہید عشق ترے یک قلم ہوئے محظوظ

---

[1] ایضاً اس کی قدرت ہے کہ وہاں بولے کوئی حرف غرور [2] ایضاً کون [3] ایضاً سر شمشیر سے

فغاں رضا ہی جا ہیے ہر ہو جسے تسلیم
نصیب عیش ہوا یا کہ غم ہو[1] سے محظوظ

(ع)

اشک میرے کا نہ ہووے کبھی طوفاں مانع — ہو گر یار تیرا گوشۂ داماں مانع
ہے زیادہ تجھ عالم پہ میرا زخمِ جگر — ربط اس پردہ دری کا ہے گریباں مانع
آپ ہیں خانۂ زنجیر میں رکھتا ہوں قیام — میری وحشت کا ہوا کب درِ زنداں مانع
گوشۂ فقر سے جنبش نہ کروں تا دمِ مرگ
اے فغاں ہو نہ اگر گردشِ دوراں مانع

(غ)

نہ کوئی گورِ غریباں اوپر جلاوے چراغ — جلے ہے داغِ دلِ عاشقاں بجائے چراغ
نکل پڑا ہے میرے پیرہن سے شعلۂ دل — چھپے نہ پردۂ فانوس میں جیسا چراغ
یہاں تلک تو جلا دل کہ لوگ کہتے ہیں — یہی ہے تاجِ سرِ شمع و خاکپائے چراغ
فغاں یہ رشک مجھے داغ داغ کرتا ہے
کوئی نہ دل کے برابر جلا سوائے چراغ
ملا ہے میرے سر سے قدم تک اثرِ داغ — کروں نہ کیوں میں سرو چراغاں ثمرِ داغ
کچھ آج زیادہ ہے تیری گرمیٔ مجلس — پہنچی ہے کسی سوختہ دل کی خبرِ داغ
رکھتا ہے جگر یہ کہ تیری تیغ کے آگے — ہر مرہمِ زنگار کا بچایا سپرِ داغ

---

[1] ایضاً ۱

جس طرح ہے آتشکدۂ عشق کی سوزش   کب ہووے سمندر میرا وہ یاں ہو درد داغ

مجھ کو تو شب و روز فغاں پوچھتے رہنا
ناسور ہوئی کیا یہ میری چشم تر داغ

(ف)

بھر رہی ہے آستیں لوہو سے داماں یکطرف   پھٹ گئے ہیں چاک سینہ میں گریباں یکطرف
بزم میں اس کی بہ رنگ صورت دیوار ہوں   آئینہ رو یکطرف ہے چشم حیراں یکطرف
دیر و کعبہ میں بھی یہی فریادی تیرے موجود ہیں   سر پٹکتا یکطرف ہندو و مسلماں یکطرف
ان بلاؤں سے فغاں جا بر نظر آتا نہیں
تیغ ابرو یک طرف ہے تیر مژگاں یکطرف
پاؤں چلتے ہوئے دیکھے تو بیاباں کی طرف   ہاتھ اٹھے نظر آئے تو گریباں کی طرف
نہ مجھے دیر سے مطلب نہ غرض کعبہ سے   ہیں نہ ہندو کی طرف ہوں نہ مسلماں کی طرف
کیا بہار آئی ہے گلشن میں کہ یاران عزیز   لے چلے پھر مرے یوسف تجھے زنداں کی طرف
یا الٰہی یہ جگر کس کا نشانہ ہوگا   دل کو جاتے ہوئے دیکھا صف مژگاں کی طرف
بار بار تو دیتا ہے میرے خون کو لیک
نہ اڑے چھینٹ کہیں گوشۂ داماں کی طرف

(ق)

تجھ پر دل عشاق میرے یار تصدق   یک بار تصدق نہیں سو بار تصدق

له ایضاً بھر آیا ہے آستین سے له ایضاً ہو گئے ہیں

صدقے اسے ہونے دے وگرنہ قفس میں | ہوتا ہے ابھی مرغ گرفتار تصدق

اے شوخ ترے چہرۂ گلنار کے اوپر | قطعہ | قربان ہے بلبل گل وگلزار تصدق

اپنے دل یوسف کو اگر جا کے دکھاؤں

ہو جاوے فغاں مصر کا بازار تصدق

ہیں بادۂ ناب کے تصدق | اس عالم آب کے تصدق

کتنا ہی برشتہ یہ جگر ہے | اس بوئے کباب کے تصدق

آباد ہو دل سے خانۂ عشق | اس خانہ خراب کے تصدق

بے سوز نہیں فغاں رگِ دل

اس تارِ رباب کے تصدق

ك

طاقت کہاں کہ جایئے قاتل کے گھر تلک | لے جاوے سیل اشک گر اس کے در تلک

خاموش ہو چلا ہے سر شام داغ دل | یہ وہ نہیں چراغ کہ ٹھہرے سحر تلک

یہ زخم دل ہے چاک گریباں نہیں فغاں

اس گھاؤ کو نہ پوچھ کہ پہنچا جگر تلک

مجھ سے جدا رہے گا مرے یار کب تلک | امید پہ جیئے یہ گرفتار کب تلک

اس کے لیے تو شربت دیدار چاہیے | خون جگر پیئے دل بیمار کب تلک

آتا ہے جب جلال میں وہ ترک تند خو | کرتا ہوں میں فغاں کہ میرے یار کب تلک

ظالم ترے غرور کا ہوتا رہے حریف | قطعہ | یہ عجز وانکسار تو ہر بار کب تلک

گردن کہاں تلک میں جھکائے رہوں میاں | مجھ سے موڑی رہے تیری تلوار کب تلک

۱؎ ایضاً "کا" ندارد ۲؎ ایضاً بری رہے

طاقت تو طاق ہوگئی صبر و قرار کی
منہ دیکھتا رہی ہے گنہگار کب تلک

گو دست رس نہیں مری دستِ نگار تک
پہنچوں گا بن کے رنگِ حنا پائے یار تک

دریائے عشق میں دلِ بسمل بہ رنگِ موج
مارے ہی دست و پا کہیں پہنچے کنار تک

اتنا تو میری خاک کو یہ بادِ دے صبا
بے گرد تا بلند ہو اس شہسوار تک

اس جنس کا ملے جو خریدار اے فغاں
بیچوں میں دل کو ایک سے لے کر ہزار تک

(ل)

خریداروں کو ہنستا ہے میرا دل
جو تو لیوے تو سستا ہے میرا دل

یہ جانا میں کہ تم ہو کوہِ تمکیں
ذرہ بولو تو سستا ہے میرا دل

میں دیوانہ ہوں اس کی رسیمی کا
صفِ مژگاں میں دھنستا ہے میرا دل

گرہ دے رکھ نہ ان کو کھول ظالم
ابھی زلفوں میں پھنستا ہے میرا دل

فغاں شاید چمن میں گل کھلے ہیں
کہ جوں غنچہ کستا ہے میرا دل

دیکھے اگر تجھے تو نہ پھر دیکھے روئے گل
جاتی رہے دماغ سے بلبل کے بوئے گل

ہے بیمِ چشمِ بد پہ بلبل کو مثلِ حرز
تو اے نسیم باندھا جا کر گلوئے گل

مرغِ قفس ہوں میں مجھے سیرِ چمن سے کیا
نے اشتیاقِ گلشن و نے آرزوئے گل

آوے اگر وہ روئے عرق ناک باغ میں
جاتی رہے چمن سے فغاں آبروئے گل

تو ان بتوں سے عبث آشنا ہوا ہے دل
یہ طرح کونسی ہے تجھ کو[1] کیا ہوا ہے دل

---

[1] ایضاً تجکوں

پھرے ہے لوٹتا ہر ایک نقش پا اوپر — کسی کے پاؤں سے شاید ملا ہوا ہے دل
ہوا ہوں تنگ گریباں کو چاک کیجے دوست
کہیں کھلے بھی بلا سے خفا ہوا ہے دل

(۴)

بے نور ہیں چشم تر گئے ہم — روتے روتے ہی مر گئے ہم
ہے دل میں خدا حرم میں کیا ہے — بھٹکے بھٹکے کدھر گئے ہم
شب روز کٹی تھی یار کے ساتھ — ہوتے ہی سحر کے مر گئے ہم
دیکھا نہ فغاں کیا میرا جی — اودھر گیا ادھر گئے ہم

اپنی ہی مے سے اپنے ساغر کو بھر گئے ہم — خوننابہ جگر کو پیتے ہی مر گئے ہم
دست تہی چلے پھر ہستی سے ہم عدم کو — کچھ واں نہ لے چلے ہم کچھ یہاں نہ کر گئے ہم
ساقی بجائے بادہ مینا میں اشک بھر لے — اس میکدہ سے روتے جوں ابر تر گئے ہم

دل میں کیا درد ہے واللہ اعلم — آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم [۵۳]

---

۵۲ ایضاً خفا ہوا ہوں، اس نسخہ میں ایک شعر ناقص ہے: خدا کے واسطے مجھ دل جلے سے نہ مل پوچھیں ملے کا دیا ت

ہوا (۴) ہوا ہے دل ۵۳ مجموعۂ نغز ص ۲۶ پہ اس غزل کے مصرعے حسب ذیل ہیں:-

رنگ کیوں زرد ہے واللہ اعلم — آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم
چشم کیوں تر ہے خدا ہی جانے — دل میں کیوں درد ہے واللہ اعلم

نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں صرف حسب ذیل ایک شعر ہے:

دل میں کیوں درد ہے واللہ اعلم — آہ کیوں سرد ہے واللہ اعلم

چشم کیوں نم ہے خدا ہی جانے   رنگ کیوں زرد ہے واللہ اعلم

سہل جو عشق کو جانے ہے فغاں
کون سا مرد ہے واللہ اعلم

(ن)

قید سے کیوں کہ رہا ہوں کہ گنہگار ہوں میں   بال و پر گو نہیں رکھتا پہ گرفتار ہوں میں
داغِ عشاق کو ہے پردہ نشینی بہتر   کیا دکھاؤں جگر اپنا کہ دل افگار ہوں میں
مت ڈبونا مجھے ظالم کہیں طغیانی میں   آہ اے اشک ترا قافلہ سالار ہوں میں
نہ سروکار ہے بلبل کو نہ گل کو مجھ سے   گلشنِ دہر میں خارِ سرِ دیوار ہوں میں
سن کے اس مطلعِ بیتاب کو کہتا ہے فغاں   کھینچیے تیغ مری جان کہ تیار ہوں میں

قتل کیجیے مجھ کو تو سزاوار ہوں میں
ہاں میاں تشنۂ آبِ دمِ تلوار ہوں میں

دیکھیے خاک میں مجنوں کی اثر ہے کہ نہیں   دشت میں ناقۂ لیلیٰ کا گذر ہے کہ نہیں
وا اگر چشم نہ ہو اس کو نہ کہنا ہی اشک   یہ خدا جانے صدف بیچ گہر ہے کہ نہیں

قطعہ

ایک نے تجھ کو ترے در کے اوپر دیکھ لیا   غیر اس در کے تجھے اور بھی در ہے کہ نہیں
آخر اس منزلِ ہستی سے سفر کرنا ہے   اے مسافر تجھے چلنے کی خبر ہے کہ نہیں

توشۂ راہ سبھی ہم سفراں رکھتے ہیں
تیرے دامن میں فغاں لختِ جگر ہے کہ نہیں

[illegible] ہے گر رحمت مثالِ باران   بخشے کبھی نہ جاویں پھر گناہ گاران

شب گھر میں مدعی کے خورشید رو تھا روشن — افطار بھی نہ کرنے پائے یہ روزہ داران
کتنے عنان گرفتہ رہ گئے ہیں اسپ پیچھے — میدان پڑا ہی خالی مر گئے وہ شہسواران

دردِ دل فغاں سے آگاہ ہیں تو یہ ہیں
جلتے رہیں الٰہی دنیا میں غم گساران

مجھے دشنام تو دیتا ہے میں سن سنکے روتا ہوں — اگر تو دُر اگلتا ہے تو میں موتی پروتا ہوں
برنگ صورت دیوار میں ہوں کشتہ حیرت — نہ کہتا ہوں نہ سنتا ہوں نہ ہنستا ہوں نہ روتا ہوں
میرے ہر صبح فریادی نہ ہو ویں کیونکہ ہمسایہ — جگاتا ہوں سبھی کو میں کہاں بے چین سوتا ہوں

نہیں برداشت ہرگز طبع کو باد مخالف کی
حباب آسا فغاں میں خانماں اپنا ڈبوتا ہوں

کھا پیچ و تاب مجکو ڈستیں[۵۱] اب[۵۲] یہ کالیاں — ظالم اسی لیے تیری[۵۳] زلفیں تھیں پالیاں
تنہا نہ دُر کو دیکھ[۵۴] کے گرتے ہیں اشک چشم — سوراخ دل میں کر لی ہیں کانوں کی بالیاں

قطعہ

دیکھا کہ یہ تو چھوڑنا ممکن نہیں مجھے — چلنے لگا وہ شوخ[۵۵] میرا تب یہ چالیاں
ہر بات بیچ روٹھنا ہر دم میں ناخوشی — ہر آن دکھنا[۵۶] مجھے ہر وقت گالیاں
ایذا ہر ایک[۵۷] طرح سے دینی[۵۸] غرض مجھے — کچھ بس نہ چل سکا تو یہ طرحیں نکالیاں
ہم نے شب فراق میں سنتا ہی لے فغاں — کیا خاک شو[۵۹] کے حسرتیں دل کی نکالیاں

---

[۵۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ڈسے [۵۲] آب حیات (ص ۱۱۶) "وہ" [۵۳] آب حیات "ہیں نے" [۵۴] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کون" [۵۵] آب حیات "مرا" [۵۶] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "دیکھنا" [۵۷] ایضاً ہزار [۵۸] آب حیات "سہن" دینا [۵۹] تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳) خاک ہو کے مجموعہ نغز ع - کیا کیا نہ سے حسرتیں دل کی نکالیاں

یہ تھا خیال خواب میں دیکھیں گے[51] روزِ وصل
آنکھیں جو کھل گئیں وہی راتیں ہیں کالیاں

ناحق اجاڑتا ہے میرے آشیاں کے تئیں
حاصل ہووے گی خاک مگر باغباں کے تئیں

شعلہ ہماری آہ کا ہوتا چلا بلند
نزدیک ہے کہ آگ لگے آسماں کے تئیں

اڑ جائے گا ہما تیرے سایہ کا یہ[52] اثر
مت پر لگا ہو تو میرے استخواں کے تئیں

لازم ہے دل جلاوں کا نہ اظہار راز ہو
اے شمع قطع خوب ہے تیری زباں کے تئیں

دیکھے اگر بھویں میرے بانکے[53] کی یک نظر
رستم قسم ہے پھینک دے اپنی کماں کے تئیں

خلوت میں وہ ہو جام ہو مطرب ہو اور شراب
یہ دن خدا دکھاوے ہمارے[54] فغاں کے تئیں

گر بعد قتل لب کو سخن سے میں وا کروں
تیرے ہی دست و تیغ کو قاتل دعا کروں

رخصت نہیں قفس میں پر و بال کھولیے
کس دام میں پھنسا ہوں الٰہی میں کیا کروں[55]

کیا فخر ہے صنم تجھے پوجے ہے برہمن
میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں

ہر رات بزم وصل میں جوں شمع پر پتنگ
ہے آرزو یہی تیرے صدقے ہوا کروں

اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو
ہر صبح و شام یار کے در پر اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہے یہ ہے شرط عاشقی
میرا اگر برا ہو پہ اس کا بھلا کروں

---

[51] آبِ حیات ۔ ہیگا یہ روز وصل [52] نسخہ خان بہادر محمد شفیع " وہ "
[53] نسخہ خان بہادر محمد شفیع تیری بانکی وہ یک نظر [54] ایضاً اے یار و فغاں کے تئیں
[55] تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۳)

اس قدر طاقت نہیں جو بال و پر بھی وا کروں
کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

تدبیر سے تو گزرا تقدیر اور ہی ہوں — شمشیر اور قاتل تقصیر اور ہی ہوں
ابرو کو چھوڑ کر دل مژگاں طرف موڑا تھا — بسمل ہی اور گلا ہی زنجیر اور ہی ہوں
دیکھیں نہ خواب راحت آنکھیں مفارقت ہیں — یہ دل ہی اور وحشت تعبیر اور ہی ہوں
اے بلبلو یا چمن میں اب کی بہار آئے — بلبل ہی اور گل ہی زنجیر اور ہی ہوں

مجھ روسیہ کی حالت روز جزا میں کیا ہو
تقصیر اور دل ہی تعذیر اور ہی ہوں

امتحاں[لہ] کیجیے اے اہل جفا آتا ہوں — میں ترے پاس لیے اپنی وفا آتا ہوں
مت رہا جانیو مجھ کو اے غریبان وطن — تم چلو میں بھی کوئی دن کو چلا آتا ہوں
طائر خانہ فراموش ہے تیرے گھر کو — آشیاں جان کے اپنا میں اڑا آتا ہوں
ہو چکے غنچہ و گل آج چمن سے رخصت — میں بھی ہر ایک کو چھاتی سے لگا آتا ہوں

کیوں نہ ہو دیتی فغاں خار مغیلاں سرسبز
آج اس دشت میں میں آبلہ پا آتا ہوں

نے داد خواہ ہوں نہ گریباں دریدہ ہوں — خستہ جگر ہوں چاشنی غم چشیدہ ہوں
مانند اشک پردۂ دل ہی میرا مقام — آیا ہوں راہ دور سے محنت کشیدہ ہوں
محروم رہ گیا ترے بوس و کنار سے — حسرت بھرا ہوں دشت تاسف گزیدہ ہوں
ہاتھوں سے غیر کے ترے زانو پہ جوں کماں — گو سر جھکا رہا ہوں ولیکن کشیدہ ہوں

کیا خاک سبز ہو مرا داغ جستہ فغاں
میں موسم خزاں میں گل نو دمیدہ ہوں

لہ یہ غزل پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے [illegible] نسخہ میں [illegible]

نہ لائقِ قفس نہ سزاوارِ باغ ہوں — جوں خارِ خشک میں سرِ دیوارِ باغ ہوں
یک دم نگاہِ گرم سے دیکھا تھا گل کے تئیں — اتنا ہی عندلیب گنہگارِ باغ ہوں
اے باغباں جلا نہ مرے آشیاں کے تئیں — میں خانماں خراب گرفتارِ باغ ہوں
رکھتا نہیں ہوں ہاتھ میں کچھ غیرِ مشت پر — اتنی بساط پہ میں خریدارِ باغ ہوں

مانندِ لالہ داغ ہے دل میں مرے فغاں
گو ہوں جگر جلا پہ سزاوارِ باغ ہوں

عاجز ہوں ترے ہاتھ سے کیا کام کروں میں — کر چاک گریباں تجھے بدنام کروں میں
گر روزِ جزا داغِ شبِ ہجر دکھاؤں ! — تو صبحِ قیامت[1] کے تئیں شام کروں میں
تا حشر نہ کم ہووے گی ظالم تپشِ دل[2] — کافر ہوں اگر گور میں آرام کروں میں

جاتا ہے[3] فغاں قافلۂ ہم سفراں[4] کل
کچھ راہ کے چلنے کا سر انجام کروں میں

رہتا ہے[5] جب سے میرا گلعذار آنکھوں میں — خزاں ہوئی ہے چمن کی بہار آنکھوں میں
تری گلی میں مجھے احتیاط کرنی ہے[6] ضرور — بجائے اشک رکھوں ہوں[7] غبار آنکھوں میں
کبھی جو خواب سے ہوا آشنا تو کور ہے چشم — ہمیں گئے[8] ہیں یہ لیل و نہار آنکھوں میں

نگاہِ یار سے ہم رہ گئے فغاں محروم !
ملا لیا نہ مجھے ایک بار آنکھوں میں

---

۱ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "کو" ۲ مجموعۂ نغز: "تا حشر بھی کم ہوگی نہ ظالم تپشِ دل"

۳ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "جاتا ہے" ۴ ایضاً و مجموعۂ نغز و تذکرۂ ہندی "ہم نفساں"

۵ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں مطلع یہ ہے:

سبک ہوا ہے دل امیدوار آنکھوں میں — غضب رہا ہے مزہ انتظار آنکھوں میں

۶ ایضاً "نہ" ۷ ایضاً "ہوں" ندارد ۸ ایضاً "گئے ہیں"

نے شعلہ و نے برق و نہ اخگر نہ شرر ہوں — میں عاشق دل سوختہ ہوں تفتہ جگر ہوں
زاہد کو حرم دیر برہمن کو مبارک — میں کشتۂ الفت نہ ادھر ہوں نہ ادھر ہوں
افسردہ نہ کر دل کو میرے یار کہ جوں شمع — مہمان میں تیری بزم میں تا وقت سحر ہوں
اس کو تپش دل نے کشش ناز میں کھینچا — باللہ کہ میں اپنے لیے آپ خضر ہوں
مت خاک میں تو مجھ کو ملا یار کہ جوں اشک — میں دیدۂ تحقیق کا منظور نظر ہوں

پھینکے ہے فغاں مجھ پہ فلک سنگ حوادث
ہے شیشۂ دل بیکے میری جان کدھر ہوں

شمع کو خلوت میں مت لیجیو پروانے کے تئیں — اے تیرے قربان میں کیا کم ہو جلانے کے تئیں
مے نہیں مینا نہیں ساغر نہیں ساقی نہیں — جی میں آتا ہے لگا دوں آگ میخانے کے تئیں
خاک دیتا ہے میرے سر پہ اڑانے کو صبا — کس قدر الفت ہے وحشی سے ویرانے کے تئیں
پیچ نہ جو وے کشاکش سے زلف پر آئے خلل — دل الجھتا ہے ہمارا دوڑ کر شانے کے تئیں

اے فغاں شاید کہیں ملتے نہیں دنیا میں سنگ
ہاتھ اب ملتے ہیں لڑکے دیکھ دیوانے کے تئیں

کہتا ہے یہ بہشت میں مستوں کو جا نہیں — زاہد کا کیا خدا ہے ہمارا خدا نہیں
راضی نہیں فلک کوئی خنداں ہو ایکدم — گلشن میں دیکھتا ہوں تو غنچہ بھی وا نہیں
یکدم میں دیکھ لے تیری تلوار کا غرور — رستم تجھے کہیں میرا بانکا ملا نہیں

تیرے فغاں مذاق سخن کو بھلا وہ کیا

۱؎ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ۲؎ ایضاً "ہیں" ۳؎ ایضاً "کے" ۴؎ ایضاً "ہے" ندارد ۵؎ سخن شعرا "کی" ۶؎ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "کبھی" ندارد ۷؎ ایضاً "لاں" ۸؎ ایضاً تیرو ار ۹؎ ایضاً کہیں تجھے ۱۰؎ ایضاً ہے دل جلے فغاں کا مذاق سخن نہیں

سمجھے گا خاک درد سے جو آشنا نہیں

ہو کر ترے[1] قفس سے میں آزاد کیا کروں ‏ بے بال و پر ہوں اے مرے[2] صیاد کیا کروں
نہ زندگی میں وصل میسر نہ بعد مرگ ‏ تیرا علاج اے دل ناشاد کیا کروں[3]
اتنا بھی خوں بہا نہ کہ ہوتی نہ تیغ سرخ[4] ‏ قربان تیرے اے مرے جلاد کیا کروں
دل[5] کو کچھ اور غیر خرابی نہیں پسند ‏ اس خانمان خراب کو آباد کیا کروں

کہنا فغاں ہماری طرف سے ندیم کو
اب دل تو جا چکا بھلا استاد کیا کروں

کٹی ہیں یاد میں اسطرح راتیں ہجر کی[6] تڑپا ‏ کہیں انگلیوں کی مٹ گئیں گنتے ہوئے گھڑیاں
لا آتا ہے میرا خون دل اس اشک گلگوں پر[7] ‏ نظر کیجو تو ہیں چھنیاں یاقوت کی جڑیاں

فغاں طوق محبت کیا مبارک ہو گیا مجھ کو
گلے میں کب رہی ہیں آہ سب زنجیر کی لڑیاں

اس تیغ کا فغاں کوئی ہووے سپر کہاں ‏ رکھتے ہیں دل سبھی پہ میرا سا جگر کہاں
یہ ہے غلط کہ وہ دل سنگیں ہوا ہے نرم ‏ مر گئے ہم آہ بھرتے ہی کیا بھرنے اثر کہاں
جاتا ہوئے ہیں پردہ عشاق فرش راہ ‏ لیکن مرے صنم کا ادھر کو گذر کہاں

مانع رہا فغاں کہ نہ آوے کوئی رقیب
پر خانمان خراب کے دربان و در کہاں

کیا تجھ سے خوش رہے دل ناشاد رفتگاں ‏ اتنا بھی تو نہیں جو کرے یاد رفتگان

---

[1] تذکرہ ہندی "ترے" [2] ایضاً "مرے" [3] ایضاً نسخہ خان بہادر محمد شفیع اور گل رعنا (ص ۱۱۹) علاج ہوا ہوں اے دل ناشاد کیا کروں [4] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ ہوتا میں سرخرو" [5] ایضاً کون [6] تذکرہ میر حسن (ص ۱۱۲) نہیں تجھ یاد میں اسطرح راتیں ہجر کی لڑیاں (بالکل غلط ہے) [7] نسخہ خان بہادر محمد شفیع: کہ

واماندگانِ راہِ عدم کوشش کیجیو! — بانگِ جرس نہیں ہے یہ فریادِ رفتگاں
اے سیلِ اشک تو نہ ذرا نقشِ پا کو دیکھ — جاتی رہی نہ دہر سے بنیادِ رفتگاں

رکھتا ہو جو سکت سو فغاں یہ غزل کہے
ہاں مرثیۂ زمانہ داستانِ رفتگاں

مبتلائے عشق کو ہے ہمدماں[1] شادی کہاں — آ گئے اب تو گرفتاری میں آزادی کہاں
ایک میں تو قتل[2] سے خوش ہوں ولیکن مجھ بغیر[3] — عیش جاوے گی مرے[4] قاتل پہ جلادی کہاں
کوہ میں مسکن کبھی ہے گہ کبھی صحرا کے بیچ[5] — خانۂ الفت ہو ویراں ہم کو آبادی کہاں
مجھ[6] کو کہتا تھا فغاں مت کہیں بیٹھا تو ہی ندیم — اے مرے شاداب یہاں تیری استادی کہاں

کاش آ جاوے قیامت بھی کہے دیوانِ حشر[7]
وہ فغاں جو ہو گریباں چاک فریادی کہاں

[8] اے قاصد میں رو رو یار کی فریاد کرتا ہوں — ترا منہ[9] دیکھ کر اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں
بہار آتی ہے میرے پاؤں میں پھر زنجیر پڑتی ہے[10] — مبارک ہو جنوں گھر کو ترے آباد کرتا ہوں
لبِ خنداں کو میرے دیکھ کیا شاداں کوئی ہووے — میں ہنس ہنس عمر کو گل کی روش برباد کرتا ہوں

فغاں گر وا نہیں دربار کا جا اس کے کوچہ میں
اڑا کر خاک سر پہ دل کو اپنے شاد کرتا ہوں

---

[1] مجموعۂ نغز "ہمدموں" [2] آبِ حیات "میں" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "قتل سے ہوں خوش" [3] آبِ حیات "مجھ سوا" [4] ایضاً "مرے" [5] ایضاً "کوہ میں مسکن کبھی ہے اور کبھی صحرا کے بیچ" [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مجھ کو کہتا تھا نہ چپ رہ پس گیا تو اے ندیم + اے مرے شاداب یہ تیری استادی کہاں" [7] آبِ حیات "کاش آ جاوے قیامت اور کہے دیوانِ حشر" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کاش آ جاوے قیامت ہی کہے دیوانِ حشر" [8] مخزن نکات (ص ۲۳) گلشن [9] تذکرہ میر حسن ع "ترے دیکھے سے میں اپنے لکھے کو یاد کرتا ہوں" [10] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "پڑتی ہے"

آہ کم ہو مجھ دل سوزاں کے مر جانے سے نہیں — شمع کو آزادگی سر کے گذر جانے سے نہیں

کیا کروں پاس وفا ہے ورنہ اے صیاد دیکھ — قوت بازو میری کم مشت پر جانے سے نہیں

کبھو نہ رو تا جاؤں میں بھی سیر گلشن میں — ابر کی خوبی بغیر از چشم تر جانے سے نہیں

دیکھیو قاتل اسے مت شست و شو میں [illegible] — خون میرا ثابت تیرے دامن کے بھر جانے سے نہیں

تو عبث لکھتا ہے اے کاتب فغاں بیمار ہے
اس سبب سے دشمن کو شادی اس خبر جانے سے نہیں

اس قدر طاقت نہیں مجھ بال و پر بھی وا کروں — کس گرفتاری میں آیا ہوں الٰہی کیا کروں

اشک غلطاں کو میرے چشم حقارت سے نہ دیکھ — تو سبھی ہے ابر اس قطرہ کو میں دریا کروں

اور کچھ تو فائدہ معلوم چاک جیب سے
دل تو کھل جاوے اگر بند قبا کو وا کروں

نالاں رہی ہے شام سے تا سحر فغاں — اللہ تیری آہ کو دے ہے اثر فغاں

بوئے کباب سوختہ آتی ہے خاک سے — دامن سے کیا لگا اگر اس کے شرر فغاں

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہاں "[illegible]" ۲ ایضاً "ادب" ۳ ایضاً کبھوں رو تا جاؤں میں بھی سیر گلشن کے [illegible] ۴ ایضاً اس نسخہ میں ایک شعر اور بھی ہے جو پڑھا نہیں جاتا ۵ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں اس قافیہ اور ردیف میں کچھ اور اشعار ہیں'

تجھ بعد مرگ لب کو سخن سے ہیں وا کروں — تیرے بھی دست تیغ کو قاتل دعا کروں

رخصت میں قفس (؟) پر و بال وا کر دیا — کس دام میں پھنسا ہوں الٰہی میں کیا کروں

کیا فخر ہے صنم تجھے کہتا ہے برہمن — میرا جو بس چلے تجھے کافر خدا کروں

ہر رات بزم میں چوں شمع پتنگ (؟) — ہے آرزو یہی تیرے صدقہ ہوا کروں

کیوں کر نہ دیکھوں یار کو اے شیخ خدا را — دل کوں مگر جلا دوں آنکھوں کو کیا کروں

اتنی تو چرخ دے مجھے قدرت کہ خاک ہو — ہر صبح و شام یار کے در پہ اڑا کروں

مجھ کو فغاں قسم ہے یہ ہوش ربا عاشقی — میرا اگر برا ہوگا اس کا بھلا کروں

یہاں تک تو گرم ہی میرے خورشید رو کا حسن — دیکھے اگر کوئی تو ٹھہرے نظر فغاں !
کیوں کر پھرے وہاں سے میرا مرغ نامہ بر — جلتے ہیں اس گلی میں فرشتہ کے پر فغاں[1]

آرام عشق میں تجھے حاصل ہو سو کہاں
گر جی سکے تو جی نہیں جیتا تو مر فغاں

خط دیکھو چھپا کے ملے وہ اگر کہیں — لیتا نہ میرے نام کو لے نامہ بر کہیں !
باد صبا تو عقدہ کشا اس کی ہو جیو[2] — مجھ سا گرفتہ دل نظر آوے اگر کہیں[3]
اتنا ہجوم جوش نہیں آتا ہے اشک کا — عالم کو مت ڈبو ئیو اے چشم تر کہیں
میری طرف سے خاطر صیاد جمع ہے — کیا اوڑ سکے گا طائر بے بال و پر کہیں
تیری گلی میں خاک بھی چھانی کہ دل ملے — ایسا ہی گم ہوا کہ نہ آیا نظر کہیں

قطعہ

ایذا فغاں کے حق میں یہاں تک روا نہ رکھ — ظالم یہ کیا ستم ہے خدا سے تو ڈر کہیں
رونا جہاں تلک تھا غریبی جان رو چکا — مطلق نہیں ہے چشم میں نم کا اثر کہیں

باور اگر تجھے نہیں آتا تو دیکھ لے
آنسو کہیں ڈھلک گئے لخت جگر کہیں

۱۔ نسخۂ خان بہادر، مصحفی و آب حیات: جلتے ہیں اس گلی میں فرشتے کے پر فغاں ۔ کیوں کر پھرے وہاں سے تیرا نامہ بر فغاں ۔ نسخۂ خان بہادر، مصحفی میں اس غزل کا مطلع یہ ہے: بے فائدہ ہے ارزوئے سیم و زر فغاں کس زندگی کے واسطے ہے درد سر فغاں ۔ ۲۔ آب حیات "دل" ۳۔ آب حیات، تذکرۂ ہندی "مجھ سا گرفتہ دل جو آوے نظر کہیں" ۴۔ آب حیات، نسخۂ خان بہادر، مصحفی "ڈوبیو" ۵۔ نسخۂ خان بہادر، مصحفی "ہائے" (؟)
۶۔ آب حیات، تذکرۂ ہندی "مرتا" ۷۔ تذکرۂ ہندی "باور اگر نہیں آتا تجھے" نسخۂ خان بہادر، مصحفی "یا اب اگر تجھے"

گل کہاں مل کہاں ایاغ کہاں ۔ ہیں کہاں دل کہاں دماغ کہاں
داغ دل جل سکے تو جلنے دے ۔ خاک عشاق پر چراغ کہاں
چبھ گئی دل میں نوک خار قفس ۔ میں کہاں اور سیر باغ کہاں
دل اسی جستجو میں حیراں ہے
لیجئے یار کا سراغ کہاں

ہیں منتظر جلوۂ دیدار کھڑا ہوں ۔ پردہ سے نکلنا پس دیوار کھڑا ہوں
اے غنچہ میں گل سے نہیں دیکھا ہے صنم کو ۔ اس وقت خدائی سے بھی بیزار کھڑا ہوں

قطعہ

کوچے سے ترے یار میں کس پاؤں سے جاؤں ۔ اتنی نہیں طاقت کہ میں بیمار کھڑا ہوں
رکھتا ہے مجھے یک نگہ لطف سے محروم
ظالم تیرا ایسا میں گنہگار کھڑا ہوں

مہکے ہے چمن جو ڈھونڈتا ہے سو نہیں ۔ یہاں تو ہے آہ و فغاں اے غنچہ اللہ نہیں
ہیں ہزاروں گل شگفتہ باغ میں اے عندلیب ۔ آپ میں جو غور کر دیکھا وفا کی بو نہیں
سانورا کھڑا رسیلی نین البیلی ہے چال
ایسے پیارے پر فغاں کیوں کر دیوانہ ہو نہیں

شاہ آنسو میری چشم میں کم رہ گئے ہیں ۔ خدا جانے کس واسطے تھم رہے ہیں
زیارت کروں کیونکہ تجھ چشم تر کی ۔ پر پھیلائے آئے تھے نہیں تھم رہے ہیں

[illegible] پردہ سے نکل تا ہے پس دیوار کھڑا ہوں [illegible] اس وقت خدا [illegible]
[illegible] بیزار کھڑا ہوں [illegible]
[illegible] بیمار کھڑا ہوں

قطعہ

بیاں جن سے کرتے تھے اندوہِ دل کو — نہ وہ یارِ غم خوار ہمدم رہے ہیں

سفر کر گئے اہلِ دل اس جہاں سے

فغاں کن دلوں کے لئے ہم رہے ہیں[1]

بھلا کیا ہو دوئی سے آگے گفتگو کریں — دل آئینہ ہے دیکھ لے کیا روبرو کریں

آلودگی سے دامنِ عشاق پاک ہے — یہ دلق وہ نہیں کہ جسے شست و شو کریں

ہر دم ہو کون سوزنِ مژگاں سے ملتجی — اس چاکِ جیب و جگر کو کہاں تک رفو کریں[2]

منظور تھا جو دل کو اگر ہے تماشائے عشق — کہتا ہوں اٹھا چشم سے میرے وضو کریں

کس کو فغاں و نالۂ پیوستہ سرا سرِ دل

دست سے گم ہوا ہے کہاں جستجو کریں

(۹)

ہے قبولِ دل ترے جور و جفا پر داری نہ ہو — پھر علاج اس کا اگر تجھ میں بھی وفاداری نہ ہو

کھینچ رہا ہے اس لئے مجھ سے ترا دامانِ دل — تا کہ افسوس کو پھر شغلِ بیکاری نہ ہو

دیدۂ وفا دکھا پا دے رگِ مجنونِ عشق — نشترِ مژگاں سے ڈرتا ہوں لہو جاری نہ ہو

روتے روتے لگ گئی ہے آنکھ اس بیمار کی — یا الٰہی پھر نصیبِ چشم بیداری نہ ہو

---

[1] اس غزل کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے حاشیہ پر دو شعر لکھے ہیں جو پڑھے نہیں جاتے

[2] اصلی نسخہ میں یہ مصرع اس طرح لکھا ہے: "اس چمن گئے جگر کو کہاں تک رفو کریں" شاید چھپائی جگر ہوا گر یہ ترکیب بھی درست نہیں۔

مرغ دل پرواز کرتا ہے فغاں پر دیکھئے
حلقۂ زلف سیہ دام گرفتاری نہ ہو

ساغر ہو اور مینا صہبا ہو اور سبو ہو — جم جم رہے یہ صحبت دنیا ہو اور تو ہو
گر اس چمن کے غنچے رنگین ہوئے تو ہوں ہیں — وہ گل مجھے سونگھا دیں جس میں وفا کی بو ہو
ناصح نہ ہو پشیماں سینے پارہ ہو گریباں — گر سوزن مژہ سے چاک جگر رفو ہو
منظور عشق یہ ہے عشاق پاشکستہ — محتاج در بدر ہو آوارہ کو بکو ہو

دل میں فغاں کے ہم نے عکس روئی نہ دیکھا
آئینہ سکندر کیا اس کے روبرو ہو

یکساں نہ کیوں کروں گلشن کو اور چمن کو — ہیں آگ دے کے نکلا اپنے جلا وطن کو
دعوا رہا نہ باقی قاتل سے خوں بہا کا — مل مل کے خاک ہم نے میلا کیا کفن کو
شاید قبائے گل اب کھلتے نہیں چمن میں — باد صبا نے دیکھا شاید ترے بدن کو
ہو کیوں نہ تلخ کامی قسمت میں کوہکن کے — میٹھا کبھی نہ پایا شیریں نے اپنے دہن کو
داماں وہ کنعاں ہو چاک در زلیخا — یعقوب کہہ چکا تھا یوسف کے پیرہن کو
تنہا نہ یہ سیہ رو زنجیر پا ہوئی ہے — دل طوق جانتا ہے اس زلف کی شکن کو

مجھ کو فغاں جہاں سے کنج قفس مبارک
صدقے وفائے گل کے دیکھا ہیں اس چمن کو

میرے بغل میں یار میرا صبح و شام ہو — وہ دن خدا کرے کہیں یہ شب تمام ہو
تنہا نہ بزم یار میں ہوتے ہیں ہم شہید — باہر قدم رکھے تو ابھی قتل عام ہو
سامع تو گوش دل سے کہاں تک سنے — یک عمر چاہیے میرا قصہ تمام ہو
جاری ہیں اشک صبح سے لے شام تک فغاں — اس قافلہ کا دیکھیے کس جا مقام ہو

قطعہ

سن دکھ فغاں کا آہ بھی کرتا نہیں ہے تو　　میری طرف نگاہ بھی کرتا نہیں ہے تو
آگے تو تیغ ناز کھینچ کے کہتا تھا ناز سے　　ظالم کبھی گناہ بھی کرتا نہیں ہے تو
اب تو یہاں تلک ہے عداوت کہ خلق میں
رو کو میرے سیاہ بھی کرتا نہیں ہے تو

رکھتا ہے چرخ دوستی[1] میرے دود آہ کو　　زلف[2] سیہ سے ربط ہے بخت سیاہ کو
منظور تھا یہی کہ مروت کرے گی چشم　　کیا جانتے تھے ہم تیری کافر نگاہ کو
چھوڑا نہیں ہے در کو تیرے تا دم وفات　　تو نے[3] نہ آفریں کہی میری نباہ کو
اے شہ گدا کے خرقۂ پشمیں کو کم نہ جان　　مارے ہے پشم پر تیری زریں کلاہ کو
ہر غم ہے دل میں نہ کر خوف روز حشر
لے چلا ہے ساتھ فغاں زاد راہ کو　　سے[4]

تقویت ہے داغ سے میرے دل بیمار کو　　اے فلاطوں کیا مرض کہتے ہیں اس آزار کو
چھوڑ کر مجھ کو کہاں جاتا ہے اے خانہ خراب　　سونپتا ہے کیا تیرے[5] سر سے در و دیوار کو
کفر سے اسلام[6] کو اے شیخ بیگانہ نہ جان　　ہے تیری تسبیح سے رشتہ میرے زنار کو
نقد دل لے کر فغاں کا پھیر[7] دینا ہے عبث
گرم کرتے ہیں خریداری تیرے[8] بازار کو

---

[1] تذکرہ ہندی "مرے" [2] نسخہ خان بہادر "نقش" [3] ایضاً "تیرے" [4] تذکرہ میر حسن: اے فلاطوں کہہ تو کیا کہتے ہیں اس آزار کو [5] تذکرہ میر حسن "مرے" [6] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کفر از اسلام سے" [7] تذکرہ ہندی (ص [illegible]) "چھوڑ دینا ہے" [8] تذکرہ [illegible] "ترا"

مجھ[1] سے گرفتہ دل کو خدا شاد کیجیو — اس خانماں خراب کو آباد کیجیو
اس باغباں کو میری اسیری کا کیا الم — اے عندلیب تو تو مجھے یاد کیجیو
صیاد راہ باغ فراموش ہو گئی — کنج قفس سے مت مجھے آزاد کیجیو
یاراں مجھے تو خاطر صیاد ہی عزیز — قطعہ کہنا نہ[2] یہ کہ صید کو آزاد کیجیو
اوڑتے رہیں قفس میں اسیروں کے منت پہ
میرے لیے نہ منت صیاد کیجیو

نکلا خط ہمیں پیغام[3] کیا ہو — اب اس آغاز کا انجام کیا ہو
نہ الفت[4] نے محبت نے مروت — تیری خاطر[5] کوئی بدنام کیا ہو
فغاں سے عشق میں حاصل کیا یہ[6] — قطعہ کوئی رسوائے خاص و عام کیا ہو
ہمیشہ ہجر میں کہتا رہا وہ — جدائی میں مجھے آرام کیا ہو
ہوا جو وصل تو دھڑکا رہا یہ
الٰہی صبح کیا ہو شام کیا ہو

کس طرح بجھے شمع سحرگاہ نہ پوچھو — احوال دل سوختہ گاں آہ نہ پوچھو
اے ہم سفراں منزل ہستی سے عدم تک — خاموش چلے جاؤ یہاں راہ نہ پوچھو
ممکن نہیں ہے شکوہ اغیار رہوں چپ — تم خواہ یہ مذکور کرو خواہ نہ پوچھو
راز دل بسمل کوئی نکلے ہے زباں سے — واللہ نہیں کہنے کا باللہ نہ پوچھو
تقریر میں آتا نہیں احوال فغاں کا
پردہ ہی یہ قصۂ جاں کاہ نہ پوچھو

---

[1] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع - اب "شفتہ دل" کو [2] ایضاً "[illegible]" ایضاً نسخہ میں حسب ذیل شعر زائد ہے:-
کہنا دل فغاں کی طرف سے جو [illegible] ہمیں [illegible] فریاد کیجیو [3] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "ہم سے [illegible]" [4]
تذکرۂ میر حسن و نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "[illegible]" [5] تذکرۂ میر حسن "[illegible]" [6] نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "[illegible]"

عجب سودا بنا ہے حسن بازاری مبارک ہو ۔۔۔ زلیخا تجھ کو یوسف کی خریداری مبارک ہو
صبا میری طرف سے بلبل آزاد کو کہنا ۔۔۔ تجھے آزادگی مجھ کو گرفتاری مبارک ہو

مے گلگوں ہو ساقی ہو فغاں ہو جام دینا ہو
بہار آئی ہے میخواروں کو میخواری مبارک ہو

اے داد خواہ عاشق مت چاہ خوں بہا کو ۔۔۔ بسمل سمجھ چکا ہے قاتل کے مدعا کو
تیری گلی میں ظالم مانند نقش پا ہوں ۔۔۔ کیوں کر کوئی اٹھا دے مجھ سے شکستہ پا کو
قطرات اشک میرے باراں سے کم نہیں ہیں ۔۔۔ کرتے ہیں سبز مجھ سے بے برگ بینوا کو
ساقی پیغم تغافل بیہودہ کے میکشاں نے ۔۔۔ خالی کیا ہے اپنے جام جہاں نما کو
پی کر شراب وحدت ہم مست ہو رہے ہیں ۔۔۔ مارے ہیں اب کدو پہ اس شیخ پارسا کو

بے بس ہیں کیا کریں ہم کچھ بس نہیں ہمارا
رخصت ہوئے فغاں ہم سونپا اسے خدا کو

مجھ مبتلا کی چشم کہاں تک پر آب ہو ۔۔۔ اے دل خدا کرے تیرا خانہ خراب ہو[۱]
آخر کو تو بجھا میرے قاتل یہ تشنگی ۔۔۔ وہ تیغ دے زیادہ ذرہ جس میں آب ہو
کھولوں اگر میں اپنے دفتر دل کو میں روز حشر ۔۔۔ غیر از تیری جفا نہ کسی کا حساب ہو

جم جم پلا کے روز تجھے دوست جام مے
تو مست رہ فغاں تیرا دشمن کباب ہو

۱۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بنا ہے" ۲۔ مجموعہ نغز (ص ۷۰) تذکرہ ہندی (ص ۱۶۳)، دکن میں شعراء (ص ۳۶۹)، تیرا نسخہ خان بہادر محمد شفیع اے دل تیرا خدا کرے خانہ خراب ہو ۳۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع کھولوں اگر اپنے دفتر غم کون کو میں حشر میں + غیر از جفا تیرا نہ کسی کا حساب ہو ۴۔ ایضاً جم جم پلاوے دوست تجھے روز جام مے، مجموعہ نغز: جم جم پلائے دوست تجھے جام مے مدام تذکرہ ہندی پلائے ۵۔ مجموعہ نغز: تیرا ۶۔ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں یہ شعر فاضل ہے:

فرقت ہوئی دور وصل صنم کا شتاب ہو ۔۔۔ تا ہر جو دیکھتا ہوں الٰہی یہ خواب ہو

بٹھا گیا ہے کہاں یار بے وفا مجھ کو — کوئی اٹھا نہ سکا مثل نقش پا مجھ کو

کبھی مقیم حرم ہے کبھی ہے ساکن دیر — کیا خراب میرے دل نے جا بجا مجھ کو

برنگ غنچہ نشگفتہ ہوں دل افسردہ — ہوا نہ چاک گریباں کیا نہ وا مجھ کو

کلاہ فقر میرے سر پہ تاج شاہی ہے
نہیں قبول فغاں سایۂ ہما مجھ کو

بدلہ میری وفا کا اگر تم جفا کرو — مجھ خانماں خراب کو مت آشنا کرو

جانا کہ تم نے زہد سے حق کو کیا ہے رام — تب جانوں زاہدو میرے بت کو خدا کرو

اس کے سگان کو سے کوئی پوچھیو ذرہ
تم استخواں فغاں کی جو پاؤ تو کیا کرو

تجھ سے جدا ہوا ہے جو باعث وہ ماہ رو — صبح مفارقت تیرا ہو وے سیاہ رو

حیرت برنگ آئینہ مجھ کو ہوئی نصیب — پایا تیری بزم میں اے بادشاہ رو

تشہیر ہو چکا اسے تعزیر کیجئے — رکھتا نہیں ہے خلق میں یہ روسیاہ رو

کس طرح سے چھپاؤں فغاں رنگ زرد کو
ہے اس دل ملول کا میرے گواہ رو

مقتول تیغ ناز کو بسمل کہا کرو — میں دل تو دے چکا مجھے بیدل کہا کرو

کیا پوچھتے ہو خانۂ عشاق کا نشان — جس جا پہ گرد ہو اسے منزل کہا کرو

استادہ ہے جہاں صف عشاق بہر قتل — مجھ کو بھی اس قطار کے شامل کیا کرو

رسوائے خاص و عام میرا ننگ و نام
بہت کہا کرو جسے تم دل کہا کرو

بسمل کا جی کہاں عوض خوں بہا نہ ہو — انصاف چاہتا ہے کہ یہ حق ادا نہ ہو

نفرین خلق و طعن عزیزان جفائے غیر — سب کچھ مجھے قبول ہے پر تو جدا نہ ہو

بیجا ہے شکستِ دشو کوئی چھوٹے ہے ہاتھ سے — قاتل ہمارا خون ہے رنگِ حنا نہ ہو
ہے عندلیب رنگ محبت سے بے نصیب — کھولے نسیم عقدۂ گل تجھ سے وا نہ ہو
خالق ہوا ہے غنچہ رگ مخلوق کے قریب — ہے شرط بندگی کوئی بندہ خدا نہ ہو
سچ ہے فغاں کہ آتشِ الفت سے الاماں — اس آگ سے کسی کا کلیجا جلا نہ ہو

(۷۸)

ہوا تھا شب کو کس سے ہم سخن وہ دلستاں سچ کہہ — ابھی اے شمع جلنے سے رہی تیری زباں سچ کہہ
پڑا پھرتا ہوں صحرا میں لٹا کر خانماں اپنا — کوئی مجھ سا بھی گردش میں ہے اے آسماں سچ کہہ
طبیب اب تو دوا دیتا ہے مجھ کو کس توقع پر — بھلا کیا کچھ توانا ہوگا مجھ سا ناتواں سچ کہہ
پھرے سب موئے تن لرزش ہے تیری دیکھ اس سیہ کو — کمر باندھی ہے کس کے قتل اوپر اے میاں سچ کہہ
گلے میں ڈال کر زنار بت خانہ میں بیٹھا ہے
تو کس کافر کا شیدا ہوگیا ہے اے فغاں سچ کہہ

میکشاں ڈھونڈتے پھرتے ہیں کہاں ہے شیشہ — دل تو اس وقت میں ارزاں ہے گراں ہے شیشہ
لذتِ دردِ جگر سے کوئی ہمدرد نصیب — دل کو تنگی ہے دہاں تنگ ہیں جہاں ہے شیشہ
دل مرا سنگِ حوادث سے نہ ٹوٹا ہرگز — اس طرح کا کوئی آئے شیشہ گراں ہے شیشہ

قطعہ

یار غافل نہ پھرا کہ تو میرے مشہد پہ — جان میری دل پہ ہے رہ رو تھا ان کی شیشہ

---

۱ نسخہ خان بہادر ۲ شمع گردش ہیچ آیا آسماں ۳ ایضاً ہے ندارد ۴ ایضاً پھر ندارد ۵ ایضاً
میرا ۶ ایضاً میرے سب موئے لرزش ہے اسے دیکھو (جو غلط ہے) ۷ ایضاً سے خانہ بیٹھا ہے ۸ ایضاً
کہاں ہے ۹ ایضاً کہیں

فکر[1] یہ ہے کہ نہ پہنچے کہیں ایذا تجھ[2] کو
مت قدم خاک پہ رکھنا کہ یہاں ہے شیشہ

ہے شرر افشاں نہ تنہا یہ زبانِ سوختہ — عاشقِ دل سوختہ رکھتا ہے جانِ سوختہ
نے ہما مائل نہ ہے راغب سگِ کوئے نگار — ہو گئی ہیں توتیا یہ استخوانِ سوختہ
بسکہ ہے مثلِ سمندر ساکنِ آتشکدہ — یہ دلِ افروختہ ہے دودمانِ سوختہ

اے دل خیالِ عشق کو کم رکھ سمجھ سمجھ — تو راہِ عاشقی میں قدم رکھ سمجھ سمجھ
بسمل تری تڑپ پہ ترے قاتل کا قتل ہے — لب پر تو جی کے تئیں کوئی دم رکھ سمجھ سمجھ
دل کو نہ کر خراب کہ ہے سجدہ گاہِ عشق — اس خانۂ خدا کو صنم رکھ سمجھ سمجھ
بریاں کیا ہے آتشِ دل نے جگر کے تئیں — رو رو کے چشم آپ کو نم رکھ سمجھ سمجھ
تیرا فغاں تو قابلِ جور و جفا نہیں
اس پر روا نہ ظلم و ستم رکھ سمجھ سمجھ

ڈرتا ہوں یہ کہیں دلِ بسمل تڑپ تڑپ — نکلیں کرے نہ دامنِ قاتل تڑپ تڑپ
گو ہے شکستہ پر پہ مرا مرغِ نامہ بر — پہنچے گا اڑ کے تا سرِ منزل تڑپ تڑپ
افسوس وسعتِ قفسِ سینہ تنگ ہے — کیا کیا ستم کرے گا فغاں دل تڑپ تڑپ

ہو گئی الفت دلِ وحشی کو ویرانے کے ساتھ[3] — ایک بھی لڑکا نہیں ہے آج دیوانے کے ساتھ[4]
مت کوئی روشن کرو مجنوں کی تربت پر چراغ[5] — روحِ دیوانہ کی جل جاوے گی پروانے کے ساتھ[6]

لہ ایضاً شعر نو یہ ہے ۲ہ ایضاً مجھ کو ن ۳ہ تذکرہ میر حسن (ص ۱۴۲) روح جل جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع - روح کیا جاوے گی دیوانے کی پروانے کے ساتھ

کیا مزہ دیوے فغاں کو زندگی ساقی بغیر[1] — اڑ گئے وہ عیش وہ آرام میخانے کے ساتھ

چشم الطاف تو رکھتا ہی صنم ناز بھی ساتھ — کچھ تو آنکھوں کی اشارت ہو کچھ انداز بھی ساتھ
یہ دل سرد کہاں زمزمۂ درد کہاں — تم بھی قائم رہو بلبل تیری آواز بھی ساتھ
ہی خط سبز بتاں حاشیۂ مصحف حسن — یار انجام تو رکھتا ہی یہ آغاز بھی ساتھ
مست رہا کیجیو صیاد قفس سے مجھ کو — کشش دام نے توڑے یہ پرواز بھی ساتھ

کیا خلل لطف شہادت میں فغاں پڑتا ہی
یار آتا ہی مرے قتل کو غماز بھی ساتھ

بک گیا اب تو یہ دل قاتل خونخوار کے ہاتھ — بندھ گئے رشتۂ الفت سے گنہگار کے ہاتھ
دست بردار نہیں خون شہیداں سے ہنوز — کب ہوئے سرخ حنا سے مرے دلدار کے ہاتھ
تیغ بیداد ہی پایا ہی سر شوریدۂ عشق! — ہم نے خالی نہ کبھی پائے ستمگار کے ساتھ
ہائے نبض شناساں بخار تپ عشق! — دست نباض ہی عاجز ترے بیمار کے ہاتھ

بخیہ چاک جگر کو تو فغاں کھولے ہی
یہ نیا شغل لگا اس ترے بیکار کے ہاتھ

(ی)

عاشق ہوں مجھے تجھ سے سروکار ہوا ہی — یہ بات فغاں کہہ کے گنہگار ہوا ہی
تو کافر بد کیش ہی وہ ظالم بے رحم — ہونی تھی سو ہو اب تو میرا یار ہوا ہی
مشکل ہی ترے حلقۂ گیسو سے نکلنا — یہ طوق محبت تو گلے ہار ہوا ہی

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع کیا مزا دیتا ہی مجکو زندگی ساقی بغیر (جو غلط ہی)

سر دے کے عشق میں جاتا ہی عدم کو ۔ سنتا ہی مسافر تو سبک بار ہوا ہی
ظاہر ہی فغاں جامۂ رنگین سے اس کے
قاتل کو میرا خون سزاوار ہوا ہی

یار اگر جفا کرے چاہیے دل وفا کرے ۔ یہ نہ کرے تو کیا کرے وہ نہ کرے تو کیا کرے
یار طرف نظر رہی اشک سے چشم بھر رہی ۔ جیب و کنار تر رہی خون جگر بہا کرے
جو کوئی عشق باز ہو چاہیے وہ گداز ہو ۔ شعلۂ دل فراز ہو شمع صفت جلا کرے
کوچۂ یار پاک ہو جان کہیں ہلاک ہو ۔ کاش یہ جسم خاک ہو در پہ ترے اڑا کرے
تو تو فغاں ہی پیر دیر پاتے ہیں تجھ سے لطف پیر
کون جیے گا تجھ بغیر تو نہ مرے خدا کرے

سینۂ عشاق سپر چاہیے ۔ دل کے لگانے کو جگر چاہیے
پاس رہا کیا جسے برباد دوں ۔ خانہ خرابی کو بھی گھر چاہیے
مرغ قفس کو نہ ہوائے چمن ۔ کب میری پروانہ کو پر چاہیے
آتش دل نے تو جلایا جگر ۔ اب مدد دیدۂ تر چاہیے
دل کو تو مدت سے فغاں دے چکا
جان بھی حاضر ہی اگر چاہیے

مبتلائے عشق کو آسودگی نایاب ہی ۔ فرش مخمل کو میسر ہو پہ یہ بے خواب ہی
کیا کہوں جوں شمع روشن ہی میرا سوز و گداز ۔ دل میں کیا ہی آگ ہی آنکھوں میں کیا ہی آب ہی
کیوں نہیں رنگتا مرے لوہو سے تو جامہ نیل ۔ خون قربانی سے رنگین دامن قصاب ہی
کیا چھپاؤں میں نہیں چھپتی چھپائے سوز عشق ۔ پردۂ داغ جگر کیا چادر مہتاب ہی
ننگ استغنا ہی ہوں منت کش ساقی اگر ۔ شیشۂ دل میں لبالب بادۂ خوناب ہی
خانۂ دل میں نہ ہو روشن دلاں کینہ کو جا ۔ زنگ آئینہ میں جب آیا صفا نایاب ہی

اے فغاں تشبیہ دوں کس سے دل بیتاب کو
ماہی بے آب ہی یا پارۂ سیماب ہی

بسکہ دیدار تیرا جلوۂ قدوسی ہی
دامن وصل بھی آلودۂ مایوسی ہی

ہی کہاں بوئے وفا اس دہن شیریں ہیں
غنچہ لب تیری زباں ہم نے بہت چوسی ہی

یار کو خون میرا مثل حنا ہو پامال
لیکن اپنے تئیں منظور قدم بوسی ہی

دل میرا خاک شگفتہ ہو چمن میں جا کر
گل میں یہ رنگ کہاں ایک تیری بو سی ہی

ایک دن زلف کے منہ پہ نہ چھڑے یہ کافر
یاد کاکل کو فقط شیوۂ جاسوسی ہی

وہ سجی تیغ کہ یکدم میں کرے لاکھ کو قتل
کون کہتا ہی میاں تیری کمر موسی ہی

شیخ روتا ہی اسے سن کے برہمن یکسو
پر اثر بسکہ میرا نالۂ ناقوسی ہی

چشم نمناک نے ازبسکہ بجھایا اس کو
آتش عشق کہاں دل میں مگر لوسی ہی

اے فغاں عشق کہاں دل میں بقول منت
ہاں یہ سچ ملنے کی خوباں سے تو ایک خوسی ہی

اتنی ہی آہ وزاری کرتے اگر رہیں گے
جیتے کہاں بچیں گے آخر کو مر رہیں گے

اب آہ و اشک میرے ہم قافلہ ہوئے ہیں
کس سرزمیں میں فلک کر یہ ہم سفر رہیں گے

مرغ چمن مریں گے سر کو پٹک پٹک کے
کیونکر قفس میں جیتے بے بال و پر رہیں گے

میں چھوڑ دوں گا آخر اپنا فغاں تخلص
ایسی ہی گر جہاں میں بیداد گر رہیں گے

اے دل پناہ سایۂ داغ جگر نہ لے
مرنے اگر چلا ہی تو منہ پہ سپر نہ لے

مجھ سے بہل سکے گا نہ ہرگز یہ طفل اشک
لخت جگر کو گود میں جب تک کہ پھر نہ لے

عاشق کہا کرے کہ فدا جی تلک ہوں لیک
کب اس کو اعتبار ہی جب تک کہ مر نہ لے

پاکیزہ تر ہی جامۂ عریاں تنی فغاں

جانے ہے یار دوش تو رخصت سفر نہ لے

نہ ان ظالموں میں عدالت رہی ہے
نہ فریاد کی مجھ کو طاقت رہی ہے

لٹایا اسے کس روش سے کشاں نے
کہاں دختر رز کی حرمت رہی ہے

فغاں میرے اسباب میں کیا رہا ہے
مگر یہ کہ دل میں قناعت رہی ہے

عاشق تیرے کو آرزوے زخم پھر ہے
اب تک بچے ہے جان کے دینے میں دیر ہے

شاہ و گدا کی صورت اصلی میں فرق نہیں
وہ اوج پر ہے زیر یہ تنزل میں زیر ہے

اے شوخ دور زخم کو عاشق کے کم نہ جان
چاک جگر میرا تیرے دامن کا گھیر ہے

کب میں رنگ پان ہے فغاں اس عقیق کو
پی پی کے خون دل کو میرا لال سیر ہے

کیا آئینہ کی حاجت یہ چشم روبرو ہے
تیری نظر میں میں ہوں میری نظر میں تو ہے

مثل کباب جل گئے پر ایک دن نہ پوچھا
یہ کون ہے برشتہ کس کے جگر کی بو ہے

مستاں کدو دکھا کر تجھ کو پدا چکے ہیں
اے شیخ پاک دامن کیسا ترا وضو ہے

احوال کچھ نہ پوچھو اے ہمدماں فغاں کا
دل ہے سو ٹکڑے ٹکڑے سینہ ہے سو رفو ہے

کہتے ہیں فصل گل تو چمن سے گذر گئی
اے عندلیب تو نہ قفس[۱] بیچ مر گئی

شکوہ[۲] کرے ہے کیوں تو میرے اشک سرخ کا
تیری کب[۳] آستین میرے لہو سے بھر گئی

---

[۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "چمن" ص۵۱ آب حیات، نکات الشعرا، مخزن نکات اور مجموعہ نغز میں یہ مصرعہ اس طرح ہے: شکوہ تو کیوں کرے ہے مرے اشک سرخ کا "گلشن ہند" (ص۱۳۳) اور گلشن بے خار میں اس طرح ہے ع شکوہ کرے ہے تو جو مرے اشک سرخ کا۔ بنسخہ خان بہادر محمد شفیع ع شکوہ تو کیوں نہ کرے ہے میرے اشک سرخ کا

کہ آستین تیری میرے لہو (لہو) سے بھر گئی ۵ نکات الشعرا ع کب آستیں تیری مرے لہو سے بھر گئی

قطعہ

تنہا اگر میں یار کو پاؤں تو یوں[1] کہوں
انصاف کو نہ چھوڑ مروت[2] اگر گئی

آخر فغاں وہی ہے اسے کیوں بھلا دیا
وہ کیا ہوئی تپاک[3] وہ الفت کدھر گئی

مجھ سے جو پوچھتے ہو تو ہر حال شکر ہے[4]
یوں بھی گذر گئی میری[5] دوں بھی گذر گئی[6]

نہ مجھ سے پوچھ تیرے دل پہ کیا گذرتی ہے
خدا ہی جانے کہ بسمل پہ کیا گذرتی ہے

اٹھوں نہ روز جزا میں اڑے یہ تو تہمت
نہ میں سنوں میرے قاتل پہ کیا گذرتی ہے

پھرا نہ راہ عدم سے کوئی کہ ہم پوچھیں
مسافرو کہو منزل پہ کیا گذرتی ہے

بھولیں خدا کو اپنے محفوظ ہوں صنم سے
آئے تھے کیا جہاں میں ہم اس لیے عدم سے

مژگاں ہے تیر و خنجر ابرو ہی تیغ برّاں
کس کس کے سامنے ہوں میں ایک اپنے دم سے

کیفیت زمانہ آخر خمار کش ہے
سیراب ہو چکی ہے یہ چشم جام جم سے

تقدیر کا لکھا بھی تبدیل ہو گیا ہے
کیا سر نوشت میری مفقود ہے قلم سے

تجھ سے فغاں کہوں کیا اس شوخ کی گلی میں
کتنے غریب بیکس مارے پڑے ہیں ہم سے

ممنون رکھیے مجھ کو تیرا احسان دیکھیے
تیرا رہوں مدام ثنا خوان دیکھیے

---

۱ گلشن بے خار (ص۲۲۱) "یہ" ۲ گلشن بے خار "محبت" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مروت گذر گئی" جو غلط ہے ۳ مجموعہ نغز "ہوئے تپاک" گل رعنا "ہوا تپاک" نسخہ خان بہادر محمد شفیع ع ۔ وہ کیا ہوئی تپاک وہ الفت گذر گئی (جو غلط ہے) ۴ تذکرہ میر حسن ۔ ع ۔ مجھ سے جو پوچھتے ہو بہر حال شکر ہے گل رعنا ع ۔ مجھ سے جو پوچھیے تو بہر حال شکر ہے ۵ آب حیات و گل رعنا "مری" ۶ اس غزل کے ساتھ پنجاب یونیورسٹی کے حاشیہ پر کوئی اور غزل لکھی ہوئی ہے جو پوری پڑھی نہیں جاتی۔

بند قبا کو کھول کے چھاتی سے لگ گئے   ہر آن میں رہی ہے نئی تیری آن دیکھئے
لوٹوں تیرے قدم پہ یہاں تک کہ خاک ہوں   نکلے گا میرے دل کا یہ ارمان دیکھئے
آغاز تو یہ ہے کہ جو میں نے بیان کیا   انجام کار اے ستم خوبان دیکھئے

کیا لاؤگے[1] فغاں کے سر اوپر خمار ایبان
اب دل تو لے چلے ہو مری جان دیکھئے

روز و شب روتے ہی گذرے ہے یہ حال اپنا ہے   خواب میں بھی نظر آوے سو خیال اپنا ہے
مرگئے کنج قفس میں پہ کبھی اے صیاد   نہ کہا تو نے کہ یہ بے پر و بال اپنا ہے
پوچھ مت اس دل بیمار کی تاریخ وفات   ملتے ہی مر گئے وہ روز وصال اپنا ہے

کیوں کریں غیر کے مضموں کو فغاں ہم موزوں
تازگی ہووے سخن میں یہ کمال اپنا ہے

سہہ گیا سنگ جفا سر پہ یہ کیا شیشہ ہے   دیکھیو دل کو مرے سنگ ہے یا شیشہ ہے
کچھ نہ معلوم تھا آلودہ خوں تھا جب تک   صاف کر دل کو جو دیکھا تو نرا شیشہ ہے
یہاں نظر آتی ہے محراب ترے ابرو کی   دل عشاق عجب قبلہ نما شیشہ ہے
مل گیا سنگ دلاں سے پہ نہ ٹوٹا ہرگز   یہ دل سنگ صفت سخت بلا شیشہ ہے

یہ دل سوختہ رکھتا نہیں کچھ کیفیت
توڑ بھی ڈال فغاں یہ تو جلا شیشہ ہے

دکھلا دے ہیں زور مرنے[2] اضطراب کے   بندہ[3] ہیں ہم تو اس دل خانہ خراب کے
ساقی ذرا تو جنبش مژگاں سے در گذر   لبریز ہو رہے[4] ہیں پیالے شراب کے

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا لیا دگی" [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مرے" [3] ایضاً بندے ہیں
[4] ایضاً لبریز ہو رہے ہیں یہ

اتنا بھی موئے سر کو پریشاں نہ کر صبا — پالے ہوئے ہیں یہ کسی خانہ خراب کے
وا ہو اگر کبھی میرا محبوب مجھ سیتی! — اٹھ جائیں درمیان سے پردے حجاب کے

پھوٹے ہیں جب مزے سے فغاں دل کے آبلے[۵۱]
کاسے[۵۲] نہ ایسے پھوٹتے دیکھے حباب کے

اے دیدۂ تر گوشۂ داماں کو بھر بھی[۵۳] — آنسو تو نکلتے ہیں کبھی لخت جگر بھی
ہے دور میرا یار کہاں داد کو پہنچے[۵۴] — فریاد کا کیا ذکر ہے تھکتی ہے نظر بھی
اس خاک کو لے جا کے اڑا صحن چمن میں — اے بادِ صبا خاک شہیداں[۵۵] سے گذر بھی

رہنا قفس میں مرغ چمن ناگزیر ہے — نے ہم نوا یہاں نہ وہاں ہم صفیر ہے
ابتر ہوا ہے صحبت مردم میں طفل اشک — جاتا رہے نہ گھر سے یہ لڑکا شریر ہے
ٹک بھوں چڑھا کے جس پہ نظر کی وہ مر گیا — ابرو تو ہے کماں تری مژگاں بھی تیر ہے

منظور تھا کسی[۵۶] کے گرفتار ہو فغاں!
اس دل کو کیا کروں کہ یہ الفت پذیر ہے

اس کاکل شکیں میں یہ تھا نہ جو چھپا ہے — غماز دل شیفتہ بادِ سحر ہے
قصر دل عشاق کبھی گرم کبھی سرد — یہ بام تو ہے ایک پہ اس میں دو ہوا ہے
امید ثمر اس شجر خشک سے مت رکھ — نخل دل عاشق نہ ہرا ہے نہ بھرا ہے
درد دل عشاق مداوا سے نہ جاوے — خاک در معشوق اسے خاک شفا ہے

---

۵۱ ایضاً "آبلہ" ۵۲ ایضاً "کاسے" ۵۳ ایضاً اے دیدۂ تر اس میرے داماں کو بھر بھی ۵۴ ایضاً "پہنچوں"
۵۵ ایضاً اے بادِ صبا میرے مشہد پہ گذر بھی۔ اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے جو صحیح طور پہ پڑھا نہیں جاتا" دیکھیں سے کوچے میں ہمیں چھوڑا کوئی ذکھی — اے ہم سفران کچھ میرے قاصد کی خبر بھی
۵۶ اصل دیوان میں "کہ"

جاتی رہی یکبار تیرے دل کی بشاشت
غمگین نظر آتا ہے فغاں خیر ہے کیا ہے

میں کہہ چکا فسانۂ غم رات جا چکی | اب بولنے کی بات نہیں بات جا چکی
حیرت میں ہوں وہ کیوں کہ مرے دل کو لے گیا | دنیا سے دلبری و مدارات جا چکی
پینا پڑا ہے خون جگر کو بجائے مے | برہم ہوئی وہ بزم خرابات جا چکی

روز وصال ہم کو میسّر کہاں فغاں
دن کاٹنے پڑے ہیں وہ اوقات جا چکی

ڈرتا ہوں محبت میں مِرا[51] نام نہ ہووے[52] | دنیا میں الٰہی کوئی بدنام نہ ہووے
شمشیر کوئی تیز سی لینا مِرے[53] قاتل | ایسی نہ لگانا[54] کہ مِرا[55] کام نہ ہووے
گر صبح کو میں چاک گریباں دکھاؤں | اے زندہ دلاں حشر تلک شام نہ ہووے
آتا ہے مِری[56] خاک پہ ہمراہ رقیباں | یعنی مجھے[57] تربت میں بھی آرام نہ ہووے

جی دیتا ہے بوسہ کی توقع پہ فغاں تو
ٹک دیکھ[58] لے سودا یہ تیرا خام نہ ہووے

عبث عبث تجھے مجھ سے حجاب آتا ہے | ترے لیے کوئی خانہ خراب آتا ہے
پلک کے مارتے ہستی تمام ہوتی ہے | عبث کو بحر عدم سے حباب آتا ہے
خدا ہی جانے جلایا ہے کس ستمگر نے | جگر تو چشم سے ہو کر کباب آتا ہے
قطعہ
شب فراق میں اکثر میں لے کے آئینہ | یہ دیکھتا ہوں کہ آنکھوں میں خواب آتا ہے[59]

۵۱ تذکرہ ہندی "مرا" ۵۲ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں ردیف "ہوئے" ہے جو غلط ہے ۵۳ تذکرہ ہندی "مرے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "لینا ہی میرے قاتل" جو غلط ہے ۵۴ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ایسی نہ نکالے" ۵۵ تذکرہ ہندی "مرا" ۵۶ ایضاً "مری" ۵۷ ایضاً اسے نسخہ خان بہادر محمد شفیع "یعنی اسے تربت میں بھی" ۵۸ نسخہ تذکرہ ہندی "ٹک دیکھیو سودا" ۵۹ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "خواب آیا ہے" اس نسخہ میں مطلع کی ردیف تو "آتا ہے" مگر پھر ساری ردیفیں "آیا ہے" ہیں۔

نظر کرہ دل ہوں تو یہاں خواب کا خیال نہیں[1]
گیے ہے لخت جگر یا کہ آب آتا ہے

محراب کعبہ پاوے ایسے کہاں نمازی	ابرو کی یہ بلندی مژگاں کی یہ درازی
بیٹھے کبھی نہ ہو وہیں یہ کشتۂ محبت	گر مر گئے شہادت جیتے رہے تو غازی
ناحق ہوئے مخالف بیگانہ و یگانہ	بے چارہ دل کرے اب کس کس کی چارہ سازی
ان عاشقوں کے جی کو آخر نیاز لے گی	شے میرے ناز پرور یہ تیری بے نیازی

جیتے کا کیا فغاں تو دل کو لگا کے دیکھا
جی ہار دے گی آخر تیری یہ عشق بازی

ملا ہے[2] خاک میں تن دل کی آرزو نہ گئی	عجب یہ گل ہے کہ مرجھا گیا پہ بو نہ گئی
یہ خاک وہ ہے تیمم کرے ملک جس[3] پہ	میرے[4] مزار پہ شبنم بھی بے وضو نہ گئی
اگرچہ چشم نے رو رو کے راز فاش کیا	ہزار شکر کہ عاشق کی آبرو نہ گئی

غبار خاطر معشوق کب ہے کشتۂ ناز
فغاں کی خاک کوے کو نسیم تو نہ گئی

حیف دل میں تیرے وفا نہ ہوئی	کیوں تیری چشم میں حیا[5] نہ ہوئی
یار نے نامہ بر سے خط نہ لیا	میری خاطر عزیز کیا نہ ہوئی
رہ گیا دور تیرے کوچہ[6] سے	خاک بھی میری پیش پا نہ ہوئی
کٹ گئی عمر بھر[7]ی غفلت میں	کچھ تیری[8] بندگی ادا نہ ہوئی

---

[1] ایضاً نظر کرہ دل تو یہاں خواب خیال نہیں۔ گریں لخت جگر یا کہ خواب آیا ہے، اس میں یہ شعر فاضل ہوا۔

دل فغاں کچھ کیوں کر نہ اضطراب کرے — نہ نامہ بر کی خبر نے جواب آتا ہے

[2] مجموعہ نغز: بھی [3] ایضاً جس [4] ایضاً مرے [5] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "وفا" [6] ایضاً ذرہ دل سے [7] تذکرہ میر حسن ع۔ کٹ گئی ساری عمر غفلت میں [8] ایضاً تری [9] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "میری"

دو دل تیری زلف تک پہنچے
آہ یہاں تک میری رسائی نہ ہوئی
چشم خونخوار سے فغاں دیکھا
دل بیمار کو شفا نہ ہوئی

کیا کیا ستم کرے گی غضب آنکھ لگ گئی
جو ہونی ہو سو ہو میری اب آنکھ لگ گئی
شاید ہیں میرے گوشۂ داماں و آستیں
آنسو کہاں تھمیں میری کب آنکھ لگ گئی
یہ ہو غلط نہ خواب میں آوے ترا خیال
تو ہی نظر پڑا میری جب آنکھ لگ گئی
صبح وخیال شام غریباں ہوئی فغاں!
صبح وصال شام غریباں ہوئی فغاں!
جاگے بہت پہ آخر شب آنکھ لگ گئی

[1] شانہ کی کشمکش سے کہیں دل ہیں ٹوٹتے
یک عمر چاہیے تیری زلفوں سے چھوٹتے
دریا میں نت حباب کی دیکھی شکستگی
اس دل کے آبلے کبھی دیکھے نہ پھوٹتے
پاتے قفس سے رخصت پرواز ہم اگر
کیسا چمن میں جا کے زر گل کو لوٹتے
شبہائے ہجر ہم پہ فغاں یوں گذر گئیں
سر کو تو[1] پیٹتے رہے چھاتی کو کوٹتے[2]

فغاں ہم نے سنا ہے یوں کہیں مائل ترا دل ہے
خدا آساں کرے ہے بندہ محبت سخت مشکل ہے
چلا جاتا ہے ہر دم کاروان عمر ہستی ہے
نہیں معلوم اب تک دور یا نزدیک منزل ہے
سر انگشت سے قطرات خوں اب تک ٹپکتے ہیں
کف پا پہ تیری رنگ حنا یا خون بسمل ہے
یہاں تک گردش طالع تو آئی آزمائش میں
خط تقدیر بھی میری جبیں پر نقش باطل ہے
فغاں میں لے رہوں گا عاقبت تا دامن گریباں کا

---

[1] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "تو" ندارد [2] ایضاً "کون"

صف محشر ہی میں ہوں اور یہ دامان قاتل ہی

شب فراق نہ تنہا مجھے رلاتی ہی — یہ صبح وصل بھی آنسو سے موںہہ[1] دھلاتی ہی
بچاؤں کیونکہ بھلا آہ گرم کے صدمے — کہ زخم دل کو میرے لپک لپک آتی ہی
کرے ہی تلخ میری زندگی کو ہشیاری — رہی یہ لذت غفلت جو کہ جلاتی ہی

گر چمن میں فغاں گل کھلے کہ باد صبا
گھڑی گھڑی میری زنجیر کو ہلاتی ہی[2]

ظالم تجھے قسم ہی جو اس کو[3] جلا نہ دے — یہ دل بھی دل نہ ہووے جو تجھ کو دعا نہ دے
ناصح تو چاک دل کو کہاں تک رفو کرے — اے دست کاش تجھے ناخن خدا نہ دے

تیرے ہی دل سے پوچھیے اس غم کو ہاں فغاں[4]
الفت[5] بری بلا ہی کسی کو خدا نہ دے

عکس بھی کب شب ہجراں کا تماشائی ہی[6] — ایک میں آپ ہوں یا گوشہ تنہائی ہی
دل تو رکتا ہی اگر بند قبا باز نہ ہو — چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہی
طاقت ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہی — آہ سینہ سے نکل لب پہ میرے آئی ہی
میں تو وہ ہوں کہ میرے لاکھ خریدار[7] ہیں — لیک[8] اس دل سے دھڑکتا ہوں کہ سودائی ہی

---

[1] گلشن ہند ی ص۱۳۱ سنہ [2] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کہ اسکوں" [3] ایضاً نہ ہووے کہ تجھ کو اس نسخہ میں
حسب ذیل شعر فاضل ہیں بعض اشعار کی کتابت غلط ہوئی مگر ان کو صحیح کرکے درج کیا جاتا ہی

آنکھیں بچا... شمع کو فانوس میں چھپا — اے یار درمیاں سے پردہ اٹھا نہ دے
قاتل کے کیوں قدم سے تڑپ کر پڑا ہی دور — بسمل تو اپنے ہاتھ سے شرط وفا نہ دے
بے طرح جوش گل نے لگائی چمن میں آگ — ڈرتا ہوں آشیانہ کو کافر جلا نہ دے
الخاموش نہ زمزمہ تجھے بس ہی اے عندلیب — باد صبا اگر زر گل کو اڑا نہ دے

[4] مخزن نکات ع. ماتم کے دل سے پوچھیے اس غم کو اے فغاں [5] ایضاً بڑی [6] تذکرہ میرحسن ع عکس میرا شب ہجراں میں تماشائی ہی [7] ایضاً اور گوشہ تنہائی ہی [8] ایضاً لیکن اس دل سے میں ڈرتا ہوں کہ سودائی ہی۔

دل بیتاب فغاں مست ایوب نہیں
نہ اسے صبر ہے ہرگز نہ شکیبائی ہے

قطعہ

خاکساری[1] بھی[2] فغاں کی مل گئی ہے خاک میں
یہاں تلک[3] اسکو کیا پامال تیری راہ نے

خواری وزاری گرفتاری غریبی بیکسی
جو نہ دیکھا تھا سو دکھلایا دل بدخواہ نے

واہ واہ جو کچھ ہوا ہر حال وہ شاکی نہیں
یہاں تلک تو کام پہنچایا ہے اس کا چاہ[4] نے

چشم گریاں آہ سوزاں خستگی[5] و بستگی!
شکر اس کا کیجیے کیا کیا دیا اللہ نے

جیب بہا چشم سے خوں گوشۂ داماں جانے
ہاتھ سے[6] جو کہ ہوا کام گریباں جانے

کیا کہوں زخم جگر کی تو زباں قاصر ہے
یار کے حق نمک کو وہ نمک داں جانے

کوئی دانا بھی خرابی میں قدم رکھتا ہے
میں تو ناچار تھا اے دل تو ہی ناداں جانے

اے[7] فغاں سہو سے پا برگ گل اوپر مت رکھ
ان پھولوں کا مزا خار بیاباں جانے

دل[9] زلف میں الجھے[10] مجھے آرام یہی ہے
میں صید بلاکش ہوں میرا دام[11] یہی ہے

یہاں تک تو ہوا خاطر عالم سے فراموش
پھر کوئی نہ پوچھے کہ تیرا نام یہی ہے

---

۱ یہ غزل پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ہے ۲ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "بھی" ندارد ۳ ایضاً "تک" ۴ ایضاً یہ مصرع بہت ہی غلط لکھا ہوا ہے: یہاں تلک تو کام ہے پایا آشنا کا یہیں ۵ ایضاً خستگی ۶ ایضاً دست جو کہ ہوا کام گریباں جانے ۷ مجموعۂ نغز ع بھول کر پاؤں گل پہ مت رکھیو ۸ نسخہ خان بہادر محمد شفیع: اے فغاں بھول کے پا برگ گل مت رکھ۔ ان پھولوں کا مزا خار گریباں جانے ۹ نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ دل زلفوں میں الجھے ۱۰ گلشن ہند (ص ۱۳۱) الجھا ۱۱ تذکرہ میر حسن "مرا کام"

کر چاک گریباں تجھے ہر صبح دکھاؤں — میں عاشق صادق ہوں[1] میرا کام یہی ہے

پھر پیچھے دامن میں فغاں لخت جگر کو[2]

ہم خانہ بدوشوں[3] کا سرانجام یہی ہے[4]

تار کی طرح کہیں زلف بتاں سے ٹوٹے — یا الٰہی دل بیمار بلا سے چھوٹے

آپ میں ڈوب گئے سر سے قدم تک بوٹے — آج گلشن میں میرے دل کے پھپھولے پھوٹے

طاق نسیاں پہ نہ رکھ شیشۂ دل کو ظالم — یہ نہ ہووے کہ میرا آبلۂ دل پھوٹے

یہ بھلا سچ ہے میری نعش پہ تو رووے گا — یہ تو کہنے کی نہیں باتیں ارے چل جھوٹے

کر دیا وقف میرے کلبۂ احزاں کو فغاں

خوان یغما کے یہ معنی ہیں جو چاہے لوٹے

مجھ دل ناشاد کو ہر وقت[5] غم سے کام ہے — کیا خوشی یارو زمانہ میں کسی کا نام ہے

کیوں جگر کھو دوا کے ہوتا ہے نگیں تو روسیاہ — غیر کا ہے اسم یہاں[6] کیا خاک تیرا نام ہے

کیا کروں جنت کو لے کر اے میرے غلمان قد

تو نہیں گر وہاں تو کس کافر کے تئیں آرام ہے

گر کوئی مارا پڑے تیری بلا سے کیا تجھے — بلک[7] خوش آتا ہے اے ظالم یہی چرچا تجھے

کھول کر بند قبا کس کس[8] سے تو ملتا نہیں — آپ سے ہم نے غرض ہوتے نہ دیکھا وا تجھے

اس[9] مہر بے پیاں سخن کو[10] اس میرے بدعہد کو[11] قطعہ — لکھ میرے کاتب اگر آتی ہے یہ انشا تجھے

کچھ تو باعث ہے فغاں کا نامہ بر پھرتا نہیں

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "ہوں" ندارد ۲ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کو" ۳ ایضاً "ہم خانہ بدوشاں کا" ۴ ایضاً "ہر وقت سے" ۵ ایضاً "ہے" اس نسخہ میں حسب ذیل شعر فاضل ہے

اے فغاں کیوں دل پھنساتا ہے تو ان زلفوں کے بیچ — جان لے چھوٹے گا تیرا یہ تو کافر دام ہے

۶ تذکرہ میر حسن ص ۱۲۱ "بلکہ" ۷ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کس کس کوں ملتا نہیں" ۸ ایضاً "اوس" ۹ ایضاً "کوں" ۱۰ ایضاً "کوں" ۵۹

یا اسے حالت میری بھولی ہے ظالم یا تجھے[1]

تیر نگہ حریف دل بیقرار ہے   تک جنبش مژہ میں کلیجے کے پار ہے
تو آج چہچہے تو مچا لے چمن کے بیچ   کل عندلیب رخصت فصل بہار ہے
ہیں گے برنگ شیشۂ ساعت یہ دوستاں   منہ پر ملے ہیں صاف پہ دل میں غبار ہے

کھلتے ہیں خود بخود ترے بند قبا فغاں
کس سیم تن سے وعدۂ بوس و کنار ہے

مفت سودا ہے ارے یار کہاں جاتا ہے   آ مرے[2] دل کے خریدار کہاں جاتا ہے
کج کلہ تیغ بکف چیں بہ ابرو بے باک   یا الٰہی یہ ستمگار کہاں جاتا ہے
گو مغیلاں کے تئیں دشت میں آتش دیویں   چھوڑ پاؤں کو میرے خار کہاں جاتا ہے[3]

پیسے جاتی ہے اجل جان فغاں کی[4] اے یار
بھیج تیر اگر تو شکار کہاں جاتا ہے

جام دے ہے تو ابھی[5] موسم باراں باقی   یہی رہ جائے گا ساقی ترا احساں باقی
توڑ[6] دوں ان کو بھی ناصح تو رفو مت کیجو   رہ گئے ہیں یہ کئی تار گریباں باقی
پاؤں کا ایک پھپھولا بھی رہا نہیں دل میں   تشنہ ہے تشنگی خار بیاباں باقی

۱؎ ایضاً۔ " اس غزل میں ایک شعر اور ہے جو کرم خوردگی سے پڑھا نہیں جاتا:

اپنے گھر لاتے ہوئے آتی ہیں لاکھوں احتراز   غیر کے گھر میں نہ لے جا دے مزا تنہا تجھے

۲؎ مجموعۂ نغز (ص [illegible]) "اے مرے دل"، مخزن نکات (ص [illegible]) "او میرے دل"، آب حیات (ص ۱۱۶) "آ مرے دل"، نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "اے میرے دل"۔ ۳؎ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "چھوڑ یاروں کو میرے یار کہاں جاتا ہے"۔ ۴؎ دیوان کے قلمی نسخہ میں "کا" ہے۔ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع میں "کی"۔ "آب حیات" "کو"۔ ۵؎ نسخۂ خان بہادر محمد شفیع "بھی"۔
۶؎ ایضاً "توڑ دو سب کو ہی ناصح تو رفو مت کیجو۔ رہ گئے ہیں کئی اب تار گریباں باقی"۔ یہ شعر فاضل ہے:

یار راضی ہو تو اس سے یہ کہیں ہم اے دل   اے فغاں دل تو گیا مفت ہے اب جاں باقی

یار راضی ہو تو بوسہ پہ کریں ہم سودا
اے فغاں دل تو گیا مفت ہے اب جان باقی

حور و ملک نہیں ہے وہ شوخ پھر تو کیا ہے — گر ہے خدا تو اس کے جلوہ میں دیر کیا ہے
نام و نشاں سے فارغ رہیے تو خوب ہے — آسودۂ زمیں پہ مٹی کا ڈھیر کیا ہے
سر تا قدم تلک دل کیوں کر نہ ہو تصدق — چھیڑے گا پیچ تیرے دامن کا گھیر کیا ہے

ہے راہ عشق مشکل آساں نجات اس کو
نہ جائے گا فغاں تو اتنا دلیر کیا ہے

خون جگر کو جام محبت میں بھر چکے — ساقی پہنچ شتاب کہ مخمور مر چکے
نخل مراد موسم پیری میں کیا پھلے — جو دن مرے شباب کے تھے سو گذر چکے
اے شہسوار نام نہ لے تو رکاب کا — سر کو اسی لیے ترے پاؤں پہ دھر چکے

جراح کیا سبب ہے فغاں کا یہ زخم دل
کچھ روزنہ ہے نہیں کئی پھائے اتر چکے

چشم پرنم میرے حق میں حلقۂ زنجیر ہے — کس طرح آزاد ہوں آنسو بھی دامن گیر ہے
کچھ نظر آتا نہیں اس میں بغیر انتظار — یہ ترا حیرت زدہ کیا دیدۂ تصویر ہے
جبہ سائی کا نشاں جاتا ہے پیشانی سے کب — کیا مٹا دے گا کوئی اس کو خط تقدیر ہے

خاک میں کیونکر دفن کرتا ہے فغاں کی لاش کو
اے مرے قاتل یہ عاصی قابل تشہیر ہے

کون کہتا ہے کہ حلاجوں کا یہ دستور ہے — کلمۂ حق جو کوئی بولا وہی منصور ہے
ہاتھ میں لیتا تو ہے دل کو ولیکن دیکھ لے — مت بکس جاوے کہیں ظالم یہ شیشہ چور ہے

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "کیا" ۲ ایضاً "اس کو" ۳ ایضاً "کیا"

ایک دم خالی نہ پایا اشک سے اس آنکھ کو   چشم زخم دیدۂ پرنم مگر ناسور ہے
لامکاں میرے کا ہو دیدار حاصل سو کہاں   دل سے گو نزدیک ہے لیکن نظر سے دور ہے

بزم خوباں میں فغاں لیتے نہیں عاشق کا نام
غیر کا یہاں ذکر ہے تیرا کہاں مذکور ہے

[1] مسیحا تو ہوئے میرے تیرے اعجاز کے صدقے   جلایا پھر مجھے بلبل تیری آواز کے صدقے
کہاں جاتی ہے خوبی حسن کے خط کے نکلنے سے   تیرے انجام کے قربان تیرے آغاز کے صدقے
شراب و ساغر و بنار باب و مطرب و قانون   عجب سامان سے آیا ہے تو اس ساز کے صدقے

فغاں سوئے چمن کنج قفس سے ہم اسیروں کو
اڑا کے لے گیا اپنے پر پرواز کے صدقے [2]

کیوں کر ہو زندگی میرے غم خوار مر گئے   جو باعث حیات تھے وہ یار مر گئے
آنکھیں کہاں رہیں جو رواں ہوں طفل اشک   اس کارواں کے قافلہ سالار مر گئے
طالع کہاں جو تیغ نگہ سے شہید ہوں   ہم سے غریب اپنے تئیں مار مر گئے
باقی کہاں رہے ہیں زمانہ میں اہل دل   روتے تھے روز و شب سو وہ بیمار مر گئے
ہم کو بہ رنگ نقش قدم کچھ قیام ہے   اکثر تو زیر سایۂ دیوار مر گئے
کالائے بد ہوا دل عشاق واہ واہ   بے قدر ہے یہ جنس خریدار مر گئے

خالی پڑے ہیں یہ قفس سینہ اب فغاں
رہتے تھے یہاں جو مرغ گرفتار مر گئے

مجھے تو تجربہ دارا اپنا کر گئے اپنے   کہ جو شفیق تھے وہ دوست مر گئے اپنے

---

[1] ایضاً مسیحا تو ہو وے اگر تیرے [2] ایضاً اس نسخہ میں مقطع یہ ہے
بغیر اس کے فغاں کے درد کو پاتا ہے کب کوئی   ہوا ہے ہم نوا میرے ایسے دمساز کے صدقے

عیش کو تڑپھے[1] ہی کنج قفس میں مرغ چمن
اسی تڑپھ[2] میں تو بال و پر[3] گئے اپنے

میرا مقام[4] ہی اس سرزمیں پہ عارینہ
ادھر کو جاتا ہی آخر جدھر گئے اپنے

میرے جو تابع گریہ ہوئے تھے وہ مردم
سرشک چشم سے دامن کو بھر گئے اپنے

نہ دوں میں کیونکہ عزیزاں سراغ سیل سرشک
ان آنسوؤں میں تو لخت جگر گئے اپنے

کسے تو ڈھونڈتا پھرتا ہی اے فغاں تنہا
کہ اس سرا کے مسافر تو گھر گئے اپنے

سینہ کو فقط میں نہ کیا تیر کے آگے
سر کو بھی جھکایا تیری شمشیر کے آگے

افسردگی دل نہیں چاہی ہی چمن کو !
بے لطف ہی گل بلبل تصویر کے آگے

فریاد تیری کو وہ کئی تہسہ کریگی
ڈرتا ہوں کہیں خوں نہ بہے تیر کے آگے

سنتے نہیں اب زمزمۂ مرغ چمن کو
خاموش ہی میرے نالۂ شبگیر کے آگے

اس وقت میں جو نام فصاحت کا فغاں لے
کب پیش لے جاوے میری تقریر کے آگے

اٹھ چکا دل میرا زمانہ[4] سے
اڑ گیا مرغ آشیانہ[5] سے

دیکھ کر دل کو مڑ گئی مژگاں
تیر خالی پڑا نشانہ[6] سے

چشم کو نقش پا کر دل کیونکر
دور ہو خاک آستانہ سے

ہم نے پایا تو ہمدم پایا
اس جدائی کے کاروانہ[7] سے

تیرے زنجیر زلف سے نکلے
یہ توقع نہ تھی دیوانہ سے

اے فغاں درد دل سنوں کب تک
اڑ گئی نیند اس فسانہ سے

---

١ گلشن ہند "تڑپھے" ٢ گلشن ہند "تڑپ" ٣ ایضاً مرا ٤ گلشن ہند (ص ۱۳۱) مر از مانہ سے
٥ ایضاً آشیانے ٦ ایضاً نشانے ٧ ایضاً کاروانے

اس جور و جفا سے تیرے زنہار نہ ٹوٹے — یہ دل تو کسی طرح سے لے یار نہ ٹوٹے
خنجروں کو نہ کر مجھ دل بسمل کے مقابل — جو زنگ لگا تیری تلوار نہ ٹوٹے
وہ شیشۂ دل ہو کہ اسی سنگ جفا پہ — سو بار اگر پھینکیے یک بار نہ ٹوٹے
رکھ قیس قدم وادی لیلیٰ میں سمجھ کر — اس دشت محبت کا کوئی خار نہ ٹوٹے
جنبش میں نہ لا سبحۂ اسلام کو اے شیخ — نازک ہے میرا رشتۂ زنار نہ ٹوٹے

شانے سے فغاں پھر الجھتا ہے میرا دل
اس کاکل مشکیں کا کوئی تار نہ ٹوٹے

عشاق تیرے گرمی بازار کر گئے — اس جنس کو گراں یہ خریدار کر گئے
گویا میں خاک ہوں میرے مر گئے وہ ہمنفس — مجھ کو بہ رنگ صورت دیوار کر گئے

وے جو قمار عشق میں بدتے تھے دل فغاں
جیتیں گے خاک دل کو یہاں ہار کر گئے

لاکھوں اذیتوں کے سزاوار ہو چکے — عاشق ہوئے کہاں کہ گنہگار ہو چکے
اے سرو قد بتا تو قیامت میں کیا رہا — آسودگان خاک بھی بیدار ہو چکے
جو چہچہے چمن میں مچاتے تھے روز و شب — وہ مرغ تو قفس میں گرفتار ہو چکے

دل ہے بساط میں سو لگانا اسے فغاں!
سودا ہو یا نہ ہو یہ خریدار ہو چکے

پامال عشق کوچہ الفت سے کیا چلے — چلتے ہیں ہم یہاں سے اگر نقش پا چلے
لخت جگر کو دیکھ کے کہتے ہیں طفل اشک — گر چل سکے تو ساتھ ہمارے چلا چلے
ہر دم ہے کون حاجب درباں سے ملتجی — ہم اس گلی میں خاک سر او پہ اڑا چلے

روکے کیسے یہ میری آستین فغاں
وہ تو جدا چلا میرے آنسو جدا چلے

[1] اے عندلیب زمزمہ کر لے پکار کے — آئی خزاں چمن میں چلے دن بہار کے
کیا پوچھتے ہو خاک ہے کوچہ میں یار کے — مارے[2] ہوئے پڑے ہیں کئی انتظار کے
ساقی مجھے تو ساغر نرگس میں دے شراب — کھلتی نہیں ہے[3] چشم تو مارے خمار کے
کیوں کر کوئی زیارت زخم جگر کرے — پردے اٹھے[4] نہیں ہیں دل داغدار کے

کیا تو شب فراق میں جیتا رہا فغاں
بندہ ہیں ہم تو اس تیرے صبر و قرار کے[5]

نہ جیا چشم میں نے[6] دل میں وفا رکھتا ہے — آپ سے تو نہیں رہتا ہے خدا رکھتا ہے
توڑ کر دل میرے ساقی نے ندامت کھینچی — جب میں آتا ہوں تو شیشہ کو چھپا[7] رکھتا ہے
دل میں اس شوخ کے ہو پاس وفا سو معلوم — کہنے[8] سننے کے لیے بات بنا رکھتا ہے

دل میں یہ تھا کہ نہ جاوے تیرے کوچہ سے فغاں
کیا کرے یار خدا تجھ سے جدا رکھتا ہے

اس آئینہ کو گرد کدورت سے ننگ ہے — دل پر غبار خاطر احباب زنگ ہے
جاتا ہے کس طرف کو چلا کاروان عمر — لے کر بقا سے تا بہ فنا یک فلنگ ہے
کیا کیا مزہ تڑپ کے دکھاوے یہ مرغ دل — افسوس وسعت قفس سینہ تنگ ہے

جاتی رہی فغاں تیرے دل کی شگفتگی
اس گل کو کیا ہوا کہ نہ بو ہے نہ رنگ ہے

یہ فن کسے نہیں آتا کہ دل میں راہ کرے — فغاں میں اس کے تصدق ہوں جو نباہ کرے

۱؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع میں "۲؎ ایضاً مارے گئے ہوئے ہیں تیرے انتظار کے ۳؎ کھلتے نہیں ۴؎ گلشن بے خار (ص ۲۲۴) اور سخن شعراء (ص ۳۶۹) میں یہ مصرع اس طرح ہے ع یہاں تک گماں نہ تھا ترے صبر و قرار کا ۵؎ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "نہ" ۶؎ ایضاً "کو" ۷؎ ایضاً میرے کہنے کے لیے ۸؎ ایضاً بچھوڑے تیرے درختوں کو (؟) فغاں

نہ دوستی سے وہ ہوتا ہی مانع فریاد — غرض تو یہ ہی کہ مر جائے[1] پہ نہ آہ کرے

ہمارے جرم کو چاہا تیری کریمی نے
اسی کے واسطے بخشش ہی جو گناہ کرے

سوائے خاص و عام ہوں جاؤں جہاں لیے — اس داغدار دل کو پھروں میں کہاں لیے
وا ہوں برنگ گل جو سخنداں ملے کہیں — غنچہ صفت خموش ہوں منہ میں زباں لیے
اس قافلے کے بیچ صدائے جرس نہیں — جاتا ہی[2] سیل اشک عجب کارواں لیے
ناحق تو خاک چھانتا پھرتا ہی اے ہما — اس کے سگاں کو میری[3] استخواں لیے

قطعہ

شکوہ میں کب کیا ترے جور و جفا کا یار — گلگوں کفن کو اپنے پھروں میں کہاں لیے
سینہ برنگ تختۂ لالہ ہوا ہوا — تو نے ہزار داغ دیے ہم نے ہاں لیے

دل تھا میری بساط میں سو دے چکا فغاں
اب بھاگنا پڑا ہی مجھے اپنی جان لیے

قاتل کے دم تیغ سے یہ بوالعجبی ہی — بسمل کی زبان پہ طپش تشنہ لبی ہی
آنکھیں ترے پانوؤں سے لگیں ملیں سجاد — دامن کو ترے ہاتھ لگے بے ادبی ہی
ممکن نہیں جو غیر کا اس میں نہ پڑے عکس — یہ آئینۂ صاف دلاں گو حلبی ہی

قطعہ

یہاں ذکر دوئی کا نہیں احمد کو احد جان — اس پردۂ اسرار میں اللہ نبی ہی

---

۱ نسخہ خان بہادر محمد شفیع "مرجاوے" ۲ کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں "جاتی ہی" ۳ کتب خانہ الاصلاح کے نسخہ میں یہ مصرع اس طرح درج ہی: اس کے سگان کو ملی میری استخواں لیے

دامن نہ فغاں چھوڑیو تو آل عبا کا
اے قبلۂ دلہا یہ نبائے عربی ہے

صنم[1] نا مہربان ہو اس قدر اے میرے رب کیا ہے — میری تقصیر کچھ ثابت نہیں وجہ غضب کیا ہے
قدم پہ ہاتھ جب رکھتا ہوں یوں کہتا ہے جھنجھلا کر — یہ گستاخی مجھے بھاتی نہیں اے بے ادب کیا ہے
ہمارے دل کو الفت اس قدر کچھ ہو گئی غم سے — خوشی کا نام سنتے ہی جی نکل جاوے عجب کیا ہے
صبا[2] ہر ایک گل سے پوچھیو گلشن میں تو جا کر
گریباں چاک رہتا ہے فغاں اس کا سبب کیا ہے

ہمارا محرم دل تو حذنگ یار بہتر ہے — رہے سینہ میں عاشق کے یہی غمخوار بہتر ہے
مجھے گلشن میں مت بھیجو مجھے صحرا میں مت پھینکو — میرا رہنا تو زیر سایۂ دیوار بہتر ہے
ہوا ہے رشتۂ الفت رگ جاں بت پرستوں کا — تیری تسبیح سے زاہد میرا زنار بہتر ہے
فغاں سن کر میری فریاد یوں کہتے ہیں ہمسایہ
ہوا معلوم کچھ آگے سے یہ بیمار بہتر ہے

معمور[3] ہے یہ باب قفس باز کہاں ہے — گو باز ہو یہاں طاقت پرواز کہاں ہے
یہ بندہ نوازی ہے اگر خط[4] نہ ترا شو — چہرہ تو ابھی صاف ہے[5] آغاز کہاں ہے
باعث تو بتا اپنی خموشی کا چمن میں
اے بلبل نالاں تیرا دمساز کہاں ہے

---

[1] تذکرہ ہندی (ص ۱۶۳) "صنم نامہرباں اس قدر وجہ غضب کیا ہے۔ مری تقصیر کچھ ثابت نہیں اے میرے رب کیا ہے" نسخہ خان بہادر محمد شفیع "صنم نامہرباں اس قدر اے میرے رب کیا ہے۔ میری تقصیر ثابت بے وجہ غضب کیا ہے" [2] ایضاً "صبا ہر اک گلشن میں پوچھو تو جا کر" [3] نسخہ خان بہادر محمد شفیع "معمور اب باب قفس یار کہاں ہے۔ گر باز ہو یہ طاقت پرواز کہاں ہے" [4] ایضاً "گو" [5] ایضاً "ہے" ندارد

عاشق کا دل تجھے گر مطلوب ہے تو یہ ہے — گر زشت ہے تو یہ ہے اور خوب ہے تو یہ ہے
پردہ اگر دوئی کا اٹھ جاوے تو دکھا دوں — معشوق ہے تو یہ ہے محبوب ہے تو یہ ہے
تحقیق کر چکا ہوں اس چشم و دل کو اپنے — یعقوب ہے تو یہ ہے ایوب ہے تو یہ ہے
اب کیا علاج کیجے خانہ خراب دل کا — ہوشیار ہے تو یہ ہے مجذوب ہے تو یہ ہے
لخت جگر فغاں نے اب نامہ بر کیا ہے
پیغام ہے تو یہ ہے مکتوب ہے تو یہ ہے

یہ دل ترے وصال کا مذکور کیا کرے — مقدور جب نہ ہووے[1] تو مجبور کیا کرے
اپنے گذر جفا سے میں سجدہ[2] بھی کر چکا[3] — کچھ معذرت ہی نہیں معذور کیا کرے
حیراں عجب نہیں ہے جو رسوا ہوا فغاں
تشہیر گر نہ ہووے[4] تو مشہور کیا کرے

غیر از دوئی کے مانع دیدار کون ہے — وہ یار ہو گیا تو پھر اغیار کون ہے
ہم غضب رکھے ہے مجھے مغفرت سے دور — تو وہ کریم ہے تو گنہگار کون ہے
جاگا کوئی نہ خواب عدم سے کہ پوچھے — آسودگان خاک میں بیدار کون ہے
میں مر گیا پہ[5] آہ نہ پوچھا فغاں مجھے
درد جگر سے ہے یہ بیمار کون ہے

مرتے مرتے بھی نہ نکلی آرزو بیمار کی — رہ گئی حسرت میرے جی میں ترے دیدار کی
آج کی شب تو خبر لے دل افگار کی — صبح تک کچھ اور حالت ہے ترے بیمار کی
ایک دن تو آ میرے خورشید اپنے بام پہ — دیکھتا کب تک رہوں صورت در و دیوار کی

---

[1] ایضاً ہووے [2] ایضاً سجدے [3] ایضاً کر چکا ہوں [4] ایضاً نہ ہووے
[5] گلشن بے خار ص ۲۲۱ "پہ"

کیوں میرے قاتل کو کوئی مجھ سا خریدار رہے
جی نکال دوں ہو اگر قیمت تیرے تروار[۵۱] کی

بو اشک میری چشم سے کب تک رواں رہے
اس قافلہ کو دیکھیے تھک کر کہاں رہے

آوے تو زندگی ہے نہ آوے تو یا نصیب
جیتا رہے وہ یار ہمارا جہاں رہے

دل کیا ہے ایک قطرۂ خوں ہے ٹپک چکا
یہ زخم وہ نہیں کہ سدا خوں چکاں رہے

اتنا گداز شیشۂ دل کیجیو فغاں
جس میں کہ پاس خاطر نازک دلاں رہے

اے ترک چشم فوج خط سیاہ بس ہے
غارت کو ملک دل کی اتنی سپاہ بس ہے

کب ہے یہ محضر دل محتاج شاہدوں کا
داغ جگر ہمارا اس کا گواہ بس ہے

رشتہ کو ہے گہر سے جو ربط یک دلی کا
اتنی بھی اس کے دل میں ہو مجھکو راہ بس ہے

مجھ کو فغاں کہاں ہے نالہ کشی کی طاقت
لب تک بھی آکے پہنچے یہ دود آہ بس ہے

رہتی تھی نت گرفتہ دلی غنچہ ساں مجھے
لائی شگفتگی پہ یہ میری زباں مجھے

کر چاک جیب صبح قیامت دکھائیے
یہ ہی عزیز خاطر آسودگاں مجھے

کس طرح سے رہے میری عریاں تنی کا لطف
رنگین کرے ہے زخم دل خونچکاں مجھے

آکر میرے گلے سے لگے ہے ہر ایک دم
جانا ہے تیری تیغ نے ننگ فساں مجھے

بے وقر تر ہوا ہوں سگ کوئے یار سے
دتکارتا رہے ہے سدا پاسباں مجھے

کرنی پڑی ہے اب تو فغاں یادر فتگاں
اس دل نے کر دیا جرس کارواں مجھے

---

۵۱ کتب خانہ الاصلاح اور پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخوں میں "تروار" ہی ہے

آج تو یار میرا مجھ سے جدا ہوتا ہے — جی رہے یا نہ رہے دیکھیے کیا ہوتا ہے
گر پڑا آہ زمیں پہ یہ میرا طفل سرشک — اٹھ سکے تو میری پیری کا عصا ہوتا ہے
کہو منعم کو نہ مغرور رہو مانند حباب — ایک دم میں سبھی اسباب فنا ہوتا ہے
گر کروں تیری غلامی تو میرا ننگ نہیں — عشق میں بادشہ وقت گدا ہوتا ہے
سجدۂ شکر میں گر خاک جبیں ہو جاوے — کب ترا حق میری گردن سے ادا ہوتا ہے

ذکر کیوں غیر کا کرتے ہو فغاں کے آگے
انھیں باتوں سے یہ کم بخت خفا ہوتا ہے

رکھ ہاتھ میں اس نگ کو یہی ناموری ہے — لخت دل عشاق عقیق جگری ہے
اس دل کو الٰہی کہیں آسیب نہ پہنچے — میں ٹھیس سے ڈرتا ہوں کہ شیشے میں پری ہے
رونے دے شب وصل میں دل کھول کے مجھ کو — یہ قافلۂ اشک سحر تک سفری ہے
پابند نہیں رخصت پروانہ کا ہرگز — یہ دام تعلق میری بے بال و پری ہے
صنعت کے یہ معنی ہیں کہ ٹوٹے کو بنا دے — دل توڑنا یہ کون فن شیشہ گری ہے
ہوں عاشق دل سوختہ جوں سرو چراغاں — اس نخل کی ٹہنی نہ ہری ہے نہ بھری ہے

کیوں پھونکتا رہتا ہے فغاں داغ جگر کو
بجھ جائے گا آپ ہی یہ چراغ سحری ہے

مجھے رسوا کریں گے خلق میں وہ راز کیا سمجھے — خدا جانے کہ میں نے کیا کہا غماز کیا سمجھے
ہزاروں مجھ سے نالاں ہیں کہ دروں تجھ پہ مرتے ہیں — میری فریاد کیا جانے میری آواز کیا سمجھے

میری طفلی ہی میرے حق میں حکم دام رکھتی ہے
رہا ہونا قفس سے صید نو پرواز کیا سمجھے

وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں آپ چاہیے[۱] — اپنی طرف سے ہاں میرے صاحب بنا چاہیے

---

۱ مجموعہ نغز۔ وہ چاہے یا نہ چاہے فغاں اس کو چاہیے۔ اپنے کیے کو اسے میرا صاحب نبھا چاہیے۔

نسخہ خان بہادر محمد شفیع۔ وہ چاہے گر نہ چاہے فغاں آپ چاہیے

یک داغ ہو بلا سے تو اس کا کروں علاج — کیا کیا ستم ہے میری چھاتی سرا ہے

مارا ہے مجھ کو اس دل بیمار نے فغاں
کب تک رہے یہ درد کہاں تک کراہیے

بچے یہ شیخ یا رب گالیاں کھانے کے کام آوے — نہ مقبول حرم ہووے نہ بت خانے کے کام آوے
مجھے کر ذبح کہتا ہے مرا قاتل کہ یہ بسمل — اگر جیتا بچے تو پھر مر جانے کے کام آوے
نہیں مدفون اپنے میکدہ میں کیجیو ساقی — کہ خاک مے پرستاں تیرے پیمانے کے کام آوے
ہوئی ہے فرش رہ اس آرزو میں چشم عاشق کی — کہ تا ہو کر مژہ جاروب کاشانے کے کام آوے
خدا کے واسطے ظالم گرہ مت زلف کو دینا — کھلی رکھنا کہ یہ زنجیر دیوانے کے کام آوے

فغاں گذرے ہے جو دل پر اسے تحریر میں لانا
کہ تیرا قصۂ جانکاہ افسانے کے کام آوے

سب مر گئے ملے کے تری بزم سو خورم گئے — ایک ہم کمبخت دل رکھتے تھے چشم نم گئے
بس نہیں رکھتا ترے کوچے سے جانا چشم تر — ڈب ڈبا کر آ گئے تھے اشک لیکن تھم گئے
کیا دکھاؤں میں تجھے جراح یہ زخم جگر — اب اتر سکتے نہیں تجھ سے یہ پھاہے جم گئے

اے فغاں طاقت کہاں دل میں جو کھینچے انتظار
یار جب آوے گا تب کی بات اب تو ہم گئے

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے — عجب حالت ہے میری اے برہمن اللہ کیا کیجے
عبث ان حاسدوں نے دیدۂ یعقوب کو تر کر — زلیخا کا ڈبویا خانماں اے جاہ کیا کیجے

قطعہ

نصیحت فائدہ رکھتی نہیں شیخ و برہمن کو — ندامت آپ کھینچیں گے انھیں آگاہ کیا کیجے

لہ تذکرہ ہندی دلنشیں خان بہادر محمد شفیع۔ مر جائے کسی کو نہ دنیا میں چاہیے ۲ہ تذکرہ ہندی "مر سے"

فغاں میں نے تو یہ کچھ آزمایا دیر و کعبہ میں
مراد دل نہ بر آئی انھوں سے راہ کیا کیجے

کیا جو دیر میں تو سر پٹک کر یہ کہا میں نے
اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے

جو آیا پھر حرم میں تو وہاں یہ عرض کی میں نے
عجب حالت ہے میری اے میرے اللہ کیا کیجے

صیاد اور صید کی مت کر ہوس ابھی[۱]
معمور مشت پر سے ہے کنج قفس ابھی

شاید گذر ہے ناقہ لیلیٰ کا دشت میں
آئی ہمارے گوش میں بانگ جرس ابھی

نالاں نہ ہو تو یار کے شکوہ[۲] سے باز آ
سن پائے گا فغاں کوئی فریاد رس ابھی

باغ و بہار جس کی نظر میں خزاں سے لگے
تو ہی بتا کہ یہ دل وحشی کہاں لگے

تیرے خدنگ ناز کے اوپر یہ دل و جگر
قربان ہو رہے ہیں نشانہ جہاں لگے

رکتا ہے دل فغاں میں کہاں تک رہوں خموش
گر درد دل کہوں ہوں تو کہتا ہے ہاں لگے

مارا پڑا ہے تو بھی قاتل سے منفعل ہے
وہ کون ہے ہمارا خانہ خراب دل ہے

مر جاؤں تو بھی میرے احوال کو نہ پوچھے
ظالم ہے جنگ جو ہے کافر ہے سنگ دل ہے

یہ چشم عاشقاں میں خال سیہ کو دیکھو
جس کی یہ مردمک ہے مردم کہیں ہیں تل ہے

احوال کچھ نہ پوچھو خانہ خراب دل کا
بیمار و ناتواں ہے رنجور و مضمحل ہے

دیکھیں فغاں کی حالت روز جزا میں کیا ہو
عاصی ہے روسیہ ہے نادم ہے منفعل ہے

---

۱ تذکرۂ میر حسن (ص۱۴۴) صیاد اور صید کے منکر ہوس ابھی (جو غلط ہے)
۲ ایضاً شکوے

رباعیات

(۱)

ہم وہ نہیں جو وصل میں سوتے رہتے　　مژگاں میں دُرِ اشک پروتے رہتے
بے خندۂ یار کیا ہی گریہ میں مزا　　ہنستا رہتا تو ہم بھی روتے رہتے

(۲)

فاسق گر ہجو عاشق پاک کرے　　عاشق جو سنے[۱] نہ دل کو غمناک کرے
رہتا[۲] نہیں دل میں سینہ صافوں کے غبار　　آئینہ میں گرد کیا اثر خاک کرے

(۳)

گو منہ میں نہیں بات نوا رکھتے ہیں　　ہاتھوں میں نہیں زر پہ دعا رکھتے ہیں
تم ہم سے جو کہتے ہو یہ کیا رکھتے ہیں　　ہم کچھ نہیں رکھتے ہیں خدا رکھتے ہیں

(۴)

کن کن طرحوں سے آزمایا ہم کو　　کن کن طرحوں میں خوب پایا ہم کو
پامال کیا تھا ہم تو اس میں خوش تھے　　دامن کو لٹا کے پھر اٹھایا ہم کو

(۵)

دیکھا ہوگا کسی نے یہ عالم صبح　　غیر از اس چشم کے جو ہی ہمدم صبح
رونے میں فقط رات کاٹی ہم نے　　جلتے رہی شمع صفت تا دم صبح

(۶)

اے دل آرام تجھ کو ہونا معلوم　　دردِ شبِ ہجر جی سے کھونا معلوم

---

[۱] نسخہ خان بہادر محمد شفیع ۔ عاشق نہ سنے سے دل کوں غمناک کرے [۲] ایضاً رہتی نہیں جب سینہ صافوں کی غبار

اس چشم سے خواب کی توقع مت رکھ — رونا تو نصیب تیرے ہونا معلوم

(۷)

اس سنگ جفا سے دل میرا ٹوٹ گیا — صد شکر کہ ایذا سے فغاں چھوٹ گیا
آسیب ہوا کسی پری کا سو غلط — شیشہ تھا یہ دل ٹھیس لگی پھوٹ گیا

(۸)

آتا ہوں ترے در کے اوپر جب لے آہ — کہتا ہے رقیبوں کو نہ دو اس کو راہ!
تو رہ اور تیرے یار رہیں دنیا میں — میں جاتا ہوں ظالم بھلا اللہ اللہ

(۹)

آنے سے میرے یار کے آفت ہوگی — یہ تو معلوم ہے کہ راحت ہوگی
اس چشم کو دیکھ فتنہ برپا ہوگا — جب قد نظر آوے گا قیامت ہوگی

۱۰

اے زخم جگر تو خون جاری کرنا — اے مردم چشم اشکباری کرنا
سینہ میں لگائی شعلۂ آہ نے آگ — ہے وقت مدد سرشک جاری کرنا

۱۱

گر تو نے کی یاری یاری وو دن بھی گذری — ہم نے کی آہ و زاری وو دن بھی گذری
سنتا ہے میرے یار تو راضی رہنا — یوں بھی گذری ہماری وو دن بھی گذری

متفرقات

اس قدر چاک گریباں نہ ہوا تھا سو ہوا — داغ سینہ کا نمایاں نہ ہوا تھا سو ہوا
تو بھی حیرت میں رہا دیکھ کر آئینہ کو — جو تجھے دیکھ کے حیراں نہ ہوا تھا سو ہوا
تجھ کو روزی ہو میری[۵] جان دعائیں لینا — مجھ کو ہر شب تیری[۶] زلفوں کی بلائیں لینا

---

[۵] تذکرہ ہندی "مری" [۶] تذکرہ ہندی "تری"

کفر و اسلام ایک جا پایا
دیر کو خانۂ خدا پایا

عشق میں خوب آزمائے نصیب
ہم نے کم بخت اپنے پائے نصیب

دل شمع صفت بزم میں افروختہ ہووے
اتنا نہ جلانا کہ جگر سوختہ ہووے

اے چشم نہ ہو صحبت مردم سے جدا اشک
اس طفل کو رہنے دے کہ آموختہ ہووے

ہے شرط کہ محتاج نہ ہو پھر رفو کا
گر تار نگہ سے یہ جگر دوختہ ہووے

فانوس میں بہتر ہے منہ شمع کو دکھلانا
پردہ کے اٹھانے سے جل جائیگا پروانہ

مدعی شام سے سرگرم تھا جاسوسی میں
کٹ گئی رات میری تیری قدم بوسی میں

شیخ اس تیرے موذن کی صدائیں سن لیں
گر اثر پایا تو کچھ نالۂ ناقوسی میں

ہم نے تیرے فراق میں گر جی دیا تو کیا
ایسا موا تو کیا ہوا ایسا جیا تو کیا

ناصح تیرا سوزن تو میرا خون پیے گا
اس چاک جگر کے تئیں کیا خاک سیے گا

بیمار فغاں ہے اسے مت پیچ میں لینا
اے زلف سیہ رو تیرا کاٹا نہ جیے گا

نہ وا ہوا نہ میرے دل کو باغ باغ کیا
یہ وہ ہے جس نے کلیجے کو داغ داغ کیا

سراغ اس کا نہ پایا کوہ و صحرا میں بھی سر پٹکا
خدا جانے میرا قاصد کہاں بھولا کہاں بھٹکا

کرتا ہے داغ سوزش خون جگر مدد کر
جلتا ہے دل ہمارا اے چشم تر مدد کر

اے آہ اشک میرے چلنے سے رہ گئے ہیں
یہ قافلہ تھکا ہے تو ہم سفر مدد کر

سرگذشت اس دل کی پوچھیگا اگر دیوان حشر
دفتر دل پر میرے تنگ آئیگا میدان حشر

میں تجھے مرتے تلک بھی یاد کرتا ہی رہا
داد کو پہنچا نہ میں فریاد کرتا ہی رہا

مرگئے آخر فغاں کنج قفس میں ہم اسیر
نت ہمیں صیاد تو آزاد کرتا ہی رہا

بھلے آئے اپنا برا کر چلے
یہاں کیوں ہم آئے تھے کیا کر چلے

پایا نہ سوزِ عشق سے ہرگز فراغ دل | جلتا رہا مدام بجائے چراغ دل
کالائے بد کا کون خریدار ہے فغاں | کس طرح سے بکے گا میرا داغ داغ دل
اے آہ جانتے تھے تجھے خیر خواہ دل | تو بھی نکل چلی میرے سینہ سے آہ دل
یہاں تک چلا یہ قافلۂ اشک تھک گیا | مسدود ہو گئی ہے فغاں آج راہ دل

کر دیا یار کو جدا تو نے | آہ یہ کیا کیا خدا تو نے
یہ تو رنگ حنا کی رنگت نہیں | کس میں رنگین ہیں دست و پا تو نے
زخم دل ہو گیا فغاں ناسور | کی نہ اس درد کی دوا تو نے

پردۂ زخم جگر مرہم زنگار ہوا | یہ میرا راز نہاں اس پہ عیاں ہو کہ نہیں
نامہ بر کاش پھر آوے تو فغاں میں پوچھوں | چھوڑ آیا تھا جہاں دل کو وہاں ہو کہ نہیں

کیا کیا ترا ستم میری آنکھیں نہ سہ سکیں | یہاں تک تو پھوٹ پھوٹ کے روئیں کہ بہہ گئیں

ابھی یار نے خط نکالا نہیں ہے! | ابھی راہ کے گرد بالا نہیں ہے

عاشق کے دل سے ہرگز فرقت کا غم نہ جاوے | یہ درد کم نہ ہووے جب تک کہ دم نہ جاوے
داماں و آستیں سے خوننابۂ جگر تو | چسپیدگی نہایت رکھتا ہے جم نہ جاوے

صفائی کو ہر معنی کے آگے آب ہے شبنم | بھرے ہیں ساغر گل اشک سے نایاب ہے شبنم
نہ پایا ایک دم بھی برگ گل اوپر قرار اس نے | ترے در کی تو جنبش دیکھ کر بیتاب ہے شبنم

تو سنایا کر میرے دل کو یہ سنتا نہیں | جب کہ شیشہ چور ہو جاوے تو پھر بنتا نہیں

دنیا و دیں دل و جاں تجھ پر گنوا چکا ہوں | نام خدا رہا کیا سب کچھ لٹا چکا ہوں
ظالم تیری گلی میں کیوں کر قدم رکھوں اب | یہ خاک وہ ہے جس کو سر پر اٹھا چکا ہوں

کئی داغ سینہ میں رہ جائیں گے | یہ آنسو نہیں ہیں کہ بہ جائیں گے
فغاں حالت نزع میں یار سے | جو کچھ دل میں رکھتے ہیں کہہ جائیں گے

یہاں تک آہ شرربار کو میں گرم کروں | تو سہی اس دل سنگیں کو تیرے نرم کروں

دے لب لعل سے بوسہ نہ کرے یار حجاب
میری کٹ جائے زباں میں بھی اگر شرم کروں

اثر کرتی نہیں اس بت کے دل میں آہ کیا کیجے
عجب حالت ہے میری اے میرے اللہ کیا کیجے

جن کی معاش یہ ہو کیوں کر رہیں وہ جیتے
لخت جگر کو کھاتے خون جگر کو پیتے

چاک جگر ہے ناصح مت جا نیو گریباں
چھن جائے گا کلیجہ آخر کو سیتے سیتے

گذر جب سے کیا تیری گلی میں
گدائی کا تصور بندھ رہا ہے

صنم کہنے سے کب خوش ہے وہ کافر
خدائی کا تصور بندھ رہا ہے

فغاں کو وصل میں آرام کیا ہو
جدائی کا تصور بندھ رہا ہے

کیا ہوا کیا مے ہے کیا مینا ہے کیسا ابر ہے
تشنہ لب مرتا ہوں ساقی آہ میرا صبر ہے

شمع کہتی دیکھ کر جلتا میرا لوح مزار
الاماں یہ تو قیامت دل جلے کی قبر ہے

نہ آنا پاس جب تک باغ سے یہ فصل گل جاوے
تیری بو سے صبا زخم جگر میرا نہ کھل جاوے

قیامت تک رہی وحشت دل مجنوں تری قائم
نہ پاؤں سے کھلی زنجیر نے لڑکوں کا غل جاوے

اگر کنج قفس میں یہ دل آزاد آتا ہے
اسیر و سو گرفتاروں کا یہ استاد آتا ہے

خدا حافظ فغاں کس پیچ میں آیا ہے دل پھر
وہ چیرا لٹ پٹا رہ رہ کے مجھ کو یاد آتا ہے

ڈالا ہے مجھے عشق نے اس شوخ کے پالے
دل دیتے ہی مجھ کو تو پڑے جان کے لالے

ٹھکرا نہ اسے اے بت بے رحم کہ یہ دل
پاؤں پہ تڑپتا ہے کلیجے سے لگا لے

ہے شرط کہ آگاہ نہ ہوں مردمک چشم
گر دل کو چرانا ہے تو آنکھوں میں چرا لے

میں اپنے درد دل کہنے کے صدقے
ترے سن سن کے چپ رہنے کے صدقے

مخمس

خانۂ دل پہ میرے غم کی گھٹا چھائی ہے　　آہ تو برق صفت زور چمک آئی ہے
چشم نے روکے برشگال ہی دکھلائی ہے　　عکس بھی کب شب ہجراں کا تماشائی ہے
ایک میں آپ ہوں یا گوشۂ تنہائی ہے

فکر یہ ہے کہیں افشا یہ میرا راز نہ ہو　　درد دل سے میرے آگہ کوئی غماز نہ ہو
تاکہ وہ ظالم بے رحم در انداز نہ ہو　　دل تو رکتا ہے اگر سبند قبا باز نہ ہو
چاک کرتا ہوں گریباں کو تو رسوائی ہے

دل مرا آتش ہجراں سے سدا جلتا ہے　　جسم تو شمع صفت غم میں پڑا گلتا ہے
جو کوئی دیکھتا ہے ہاتھ کے تئیں ملتا ہے　　طاقت ضبط کہاں اب تو جگر جلتا ہے
آہ سینہ سے نکل لب پہ میرے آئی ہے

میں نے مانا لب خنداں سے تو مرعوب نہیں　　اس قدر مجھ کو رلانا بھی تجھے خوب نہیں
چشم عشاق ہے یہ دیدۂ یعقوب نہیں　　دل بے تاب فغاں امت ایوب نہیں
نہ اسے صبر ہے ہرگز نہ شکیبائی ہے

(۲)

کوئی دلربائی میں تجھ سا نہ ہوگا　　کوئی خود نمائی میں تجھ سا نہ ہوگا
کوئی آشنائی میں تجھ سا نہ ہوگا　　کوئی بیوفائی میں تجھ سا نہ ہوگا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

میں وہ ہوں کہ ہرگز نہ آیا قفس میں　　تنفس ہی کرتا تھا اس مشت خس میں
نہ رہتا تھا شائق کسی کی ہوس میں　　سو یوں آگیا دفعتہ تیرے بس میں

خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمانہ میں آگئے پری نژاد بھی تھے   وہ ظالم نہ سنوائے فریاد بھی تھے
نہ تسکین دہ جان ناشاد بھی تھے   ستم گار تھے بلکہ جلاد بھی تھے
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

زمیں لے کے تا آسماں ہم نے دیکھا   فلک سے ملک تک جہاں ہم نے دیکھا
سمک سے سما تک یہاں ہم نے دیکھا   غرض غور کر ہر مکاں ہم نے دیکھا
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

کیا خوب تحقیق لوح و قلم کو   برابر ہی سمجھا وجود و عدم کو
نہ دلچسپ پایا کچھ دیر و حرم کو   برہمن سے لے کر میں دیکھا صنم کو
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

فغاں دہر میں قیس و فرہاد گذرے   وہ کرتے ہوئے داد و بیداد گذرے
مصیبت زدہ شاد و ناشاد گذرے   سبھی کام کے اپنے استاد گذرے
خدا کی خدائی میں تجھ سا نہ ہوگا

(۳)

اس بیوفا کا شکوۂ جور و جفا لکھوں   یا اس دل فگار کا میں مدعا لکھوں
یا چشم اشکبار سے دریا بہا لکھوں   یا جل گئے جگر سینے شعلہ اٹھا لکھوں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

لے کر قلم کو ہاتھ میں گر میں شکستہ جاں   چاہوں کہ اپنے درد جگر کا لکھوں بیاں
گرتے ہی کلک ہاتھ سے از بس ہے ناتواں   لکھ لکھ ہر ایک وقت نہ کہہ تو خدا کو ہاں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

نے دن کو مجھ کو چین ہے نے شب کو خواب ہے   فرقت سے اس صنم کے قیامت عذاب ہے

مہماں ہوں کوئی دم کا یہ جی جوں حباب ہے		کیا پوچھتا ہے حال نہایت خراب ہے
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں
کہتا ہے دل کہ اب مجھے جلنے کی تاب نہیں		سینہ کہے ہے داغ کا اس جا حساب نہیں
آنکھیں کہیں ہیں روئیں کہانتک کہ آب نہیں		لب اور زباں کو تابِ سوال و جواب نہیں
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں
کاغذ تو جل کے آتشِ غم بیچ خاک ہے		سینہ قلم کا پا میرے مطلب کو چاک ہے
رونے میرے کا شور سمک تا سماک ہے		کیونکہ اتنا زباں سے فغاں دردناک ہے
قاصد نہیں ہے تاب مجھے آہ کیا لکھوں

ہجو حاجی

ایک خانہ خراب ایسا ہے		وہ سزا پاوے اپنے جیسا ہے
خانہ ویراں کیا ہے عالم کا		گھر اوجاڑا ہے اولادِ آدم کا
اس کو جنت سے لے نکالا ہے		بوالبشر کو بلا میں ڈالا ہے
لوگ شیطاں کا نام لیتے ہیں		گالیاں مفت اس کو دیتے ہیں
ایک مجھ سے ملا تھا اہلِ عرب		میں نے اس سے کہا یہ کیا ہے سبب
جو ارادہ کرے کہ حاجی ہو		حج کرے معصیت سے ناجی ہو
تم گدھے پر اسے چڑھاتے ہو		اس خرابی سے کیوں پھراتے ہو
اون نے مجھ سے کہا خبر کچھ ہے		بوجھ لیوے گا تو اگر کچھ ہے
ایک ہے شخص ساکنِ پنجاب		حج کے تئیں وہ گیا تھا خانہ خراب
جب وہ پہنچا قریب کعبہ کے		لینے آئے نجیب کعبہ کے
اس کو اشتر پہ لے سوار کیا		مرحبا کہہ بڑا اوقار کیا

وہاں کی بہتر یہی سواری ہی   یہی محمل یہی عماری ہی
آن کر لے گئے ضیافت کے   اِتنے جاتے ہی یہ قیامت ہی
جا کے پوچھا وہاں شریف کے تئیں   یہ خبر دو تم اس کثیف کے تئیں
سچ بتاؤ تمہیں سرِ کعبہ   بند رہتا ہی کیوں درِ کعبہ
اس میں کیا سیم و زر جواہر ہی   اس قدر احتیاط ظاہر ہی
سنتے ہی ہنس دیا یہ فرمایا   جانتا ہوں تو جس لئے آیا
تو سمجھتا ہی یہاں خزانہ ہی   یہ خدائی کا کارخانہ ہی
تو اگر لے سکے تو لے جانا   میرا حصہ ہی مجھ کو دے جانا
یہ تو سنتے ہی بے قرار ہوا   وہاں کے چوروں کا جا کے یار ہوا
ان سے جا یہ سوال کرتا ہی   دین کو پائمال کرتا ہی
میں تو کعبہ کو آج ڈھاؤں گا   ایک کٹرا یہاں بناؤں گا
سیم و زر وہاں جو ہاتھ آوے گا   جو بتاوے گا یار پاوے گا
نقب کو کس طرح سے دیتے ہیں   مال کیوں کر کسی کا لیتے ہیں
بول اٹھے چور ہم سمجھتے ہیں   اور یہ کام کم سمجھتے ہیں
لیکن آنے دے یار تو شبِ تار   تب بجا لاویں بندگی یہ یار
اتفاقاً وہ رات بھی آئی   یاد اس کو وہ بات بھی آئی
لے کے چوروں کے تئیں گیا گھر سے   جا لا لگا ہی تھا وہاں در سے
ایک کتا عرب کا بھونک اٹھا   پاسباں شور سن کے چونک اٹھا
یوں پکارا کہ چور آئے ہیں   میں نے دو تین ان میں پائے ہیں
دوڑیو دوڑیو شتابی سے   لیجیو لیجیو خرابی سے
لوگ دوڑے تو چور بھاگ گیا   آپ تو ان کے ہاتھ لاگ گئے

رو کے تئیں کر سیاہ خوار کیا — خر کے اوپر انھیں سوار کیا
تب سے رو‌دار خوار ہوتے ہیں — وہاں گدھے پر سوار ہوتے ہیں
وہاں کا مارا ہوا یہاں آیا — شہر ہو غستۂ زماں آیا
وہاں ستم خانۂ خدا اوپر — یہاں جفا آلِ مصطفا اوپر

سیدوں کے تئیں ستاتا ہے
خانۂ اہلبیت ڈھاتا ہے

ہجو دانیال

ایک شخص آشنا ہمارے ہیں — نہ ہمارے نہ وہ تمھارے ہیں
دل سے وہ آشنا ہیں کھانے کے — متلاشی ہیں آب و دانے کے
ہاں جی یہ ہے چلن زمانے کا — کس کو نہیں فکر آب و دانے کا
لیکن اتنا کوئی نہ ہووے گا — یہ کبھی پیٹ بھر نہ سووے گا
بھوک کا مت خیال رکھتا ہے — نام بھی دانیال رکھتا ہے
بھوک کی جھانجھ میں جو آتا ہے — وہ تو اپنا کلیجہ کھاتا ہے
اور کا کب کلیجہ چھوڑے گا — وہ تو کھانے سے منھ نہ موڑیگا
رو برو آتے اس کے کانپتی ہے — ڈائن اپنا کلیجہ ڈھانپتی ہے
کہ مبادا یہ اس کو کھا جاوے — پھیر کیا لیجیے بچا جاوے
ان کے خلف الرشید سے پوچھا — یا انھوں کے مرید سے پوچھا
کہ کہو پیر کا شغل کیا ہے — کہنے لاگے عجب تماشا ہے
روز و شب دیکھتا ہوں کھاتے ہیں — لاؤ کھانا یہی سناتے ہیں
گھر میں کیا کار و بار کرتے ہیں — بیٹھے ہیں زہر مار کرتے ہیں

جو کوئی سید بخاری ہے — اس کی خدمت میں ان کو یاری ہے
اس سے کیا آشنا ہے کونڈے کا — جا بجا بنتا ہے کونڈے کا

نت اسی آرزو میں رہتا ہے — سارے ہفتہ کو جمعہ کہتا ہے
شاعروں کی اگر کرے ہے ہوس — جانتا ہے حلیم کو اور بس
اس کے اوپر بھی دانت ہے ان کا — میں تو بندہ ہوں پیر کی دھن کا
گر وہ راہِ مشاعرہ پاوے — وہاں تو حافظ حلیم کو کھاوے
میل اگر جانبِ کتاب کرے — نان و حلوا کو انتخاب کرے

جو کوئی پوچھتا ہے اس کی معاش — کہتا ہے میں تو ہوں طعام تلاش
ہو کے باورچیوں کا دامنگیر — کہے اس ہاتھ کو کرو کف گیر
کاٹے سر کو کاٹ وہ بیہوش — کیا عجب دیگ کا کرے سرپوش
بھوک کی جھانجھ میں جو آتا ہے — وہ جلے سوختہ بھی کھاتا ہے
مار ڈالو کسی خرابی سے — ہاتھ اٹھاتا نہیں رکابی سے
دیکھنے میں تو یہ نموہا ہے — لیک کھانے کے وقت یوہا ہے
اس سے تئیں دین سے نہیں کچھ کام — اس کو آئین سے نہیں کچھ کام
اس لئے سیدوں کو مانے ہے — کہ حسینی کباب جانے ہے
قرصِ مہ کو وہ قرصِ نان سمجھ — آسماں کو بجائے خوان سمجھ
سمجھے ہے کھول منہ کو ہو دل مجبور — کہ زمیں سخت آسمان ہے دور
اس کا دنیا میں ہم طعام نہیں — وہ جہاں ہے مگس کا نام نہیں
اتفاقاً اگر کوئی بیمار — راہ میں ان سے ہو گیا ہے دوچار
دیکھتے ہی اسے یہ فرمایا — کہ میرے پوت تو نے کیا کھایا
کیا اجیرن ہوا ہے تجھ کو طعام — تو کرے گا حکیم کو بدنام

یار سچ کہ تجھے مرض کیا ہے — اونے پوچھا تجھے غرض کیا ہے
کہنے لاگا یہ ہے غرض مجھ کو — نہ ہوا یہ کبھی مرض مجھ کو
سن اوپر آپ راگ گاتے ہیں — خاک سکاٹے ہیں راک کھاتے ہیں
لے پکھاوج سکا کھا گیا آٹا — اس کے تسموں کا تیل بھی چاٹا
میں نے اس سے کہا یہ باجا ہے — لگا کہنے یہ میرا کھاجا ہے
بے دھڑک ہو کے اس لئے گایا — اون نے تو تان سین کو کھایا
یوں سکھے ہے مرے کی کے کرتان — ایک جر ما تھا میرا نعمت خان
اس سے نام خدا کبھی نہ سُنا — غیر ذکر خدا کبھی نہ سُنا
لے کے تسبیح کو وہ قرم ساق — یہی پڑھتا پھرے ہے یا رزاق
بُرا کہنے سے کب وہ ڈرتا ہے — گالیاں کھا کے پیٹ بھرتا ہے
رہ گئی آرزو یہی جی ہیں — نہ رہیں پانچوں انگلیاں گھی ہیں
ایسے بھوکے کو موت اگر آوے — گور میں بھی کفن نگل جاوے
حشر تک گرسنہ رہے گا وہ — مرتے مرتے بھی یہ کہے گا وہ
نہیں مجھے اعتبار ساتھ نہ لو — میرے توشہ کو میرے ہاتھ میں دو
اب تو میں گور بیچ جاؤں گا — یہ نہ ہو گا تو خاک کھاؤں گا
یہ وصیت ہے میری توکل پر — گاڑ دیجو مٹھائی کے پل پر
زندگی ہو جہان کے بارے — یہ مرے اپنی بھوک کے مارے

یاالٰہی فغاں کا غم کم ہو
یہ کہیں داخلِ جہنم ہو

ہجو آخوند صاحب

پختہ کاری ہیں ایک مردِ عزیز　　لیک رکھتا ہی خام فہم و تمیز
بلکہ تاثیر سم کی رکھتا ہی　　دشمنی دم بدم کی رکھتا ہی
بھوک سے مارتا ہی عالم کو　　ایک گندم نہ دیوے آدم کو
وائے جس گھر کا یہ بکاول ہو　　صاحبِ اختیار ہو کل ہو
اس کو فاقہ کشی مبارک ہو　　بندۂ سورۂ تبارک ہو
کون ہیں وہ میرے میانجی ہیں　　انھیں جو کچھ کہوں سو بانجی ہیں
ہم میانجی کے جور سہتے ہیں　　اب تلک طفلِ اشک بہتے ہیں
کوئی لختِ جگر جو آ جاوے　　میانجی چھین لیوے کھا جاوے
ہم سے نیزے سدا منگاتے ہیں　　آپ نالِ قلم چباتے ہیں
نت سیاہی خراب ہوتی ہی　　روز داڑھی خضاب ہوتی ہی
آپ روئے سیاہ رکھتے ہیں　　میرے ذمہ گناہ رکھتے ہیں
دل کو دنیا سے سرد رکھتے ہیں　　رو کو عالم سے زرد رکھتے ہیں
آپ سے جن کو گرم پاتے ہیں　　وہاں میری آتش کو بجھاتے ہیں
آپ کا گھر ہوا پہاڑ کا گنج　　وہاں نخود ہی عدس ہی اور برنج
جنس تو مفت ہاتھ لاگی ہی　　نقد پایا سو وہ تو جاگی ہی
کچھ سلیقہ نہیں پکانے کا　　ذائقہ کب رکھے ہی کھانے کا
جب کڑاہا چولہا پہ آتے ہیں　　میٹھے ٹکڑے پکا کے لاتے ہیں
میرے اکثر نفر جو بھوکے ہیں　　تخت جھلا رہی ہیں رو کے ہیں
کھول کر پیٹ کو دکھاتے ہیں　　سامنے ہو کے یہ سناتے ہیں

کب تلک گھر میں لکڑیاں جاویں ‌ ‌ یا الٰہی یہ پکڑیاں جاویں
ان سوا اور جو ہیں خدمت گار ‌ ‌ کہیں آپس میں مل کے سن بے یار
ایک ٹکڑا کسی کو کب بانٹے ‌ ‌ یہ تو وہ ہے کہ تھوک کر چاٹے
وہ جو اں ہیں غریب ہیں چپ ہیں ‌ ‌ مرگ کے گو قریب ہیں چپ ہیں
انھیں کھانا سبھوں سے بیکم دیں ‌ ‌ وہ اگر کچھ کہیں تو یہ دم دیں
جو کوئی اپنی بھوک کو مارے ‌ ‌ سو کے ہلکا اٹھے میرے پیارے
بوجھ ہرگز رہے نہ چھاتی پر ‌ ‌ جس کی گذران ہو چپاتی پر
میں جو آقا ہوں آپ کا شاگرد ‌ ‌ کیا قیامت ہوئی ہوا شاگرد
کیوں مروں مفت بھوک کے مارے ‌ ‌ کس مصیبت میں ہوں مرے پیارے

گھر میں اللہ کا دیا سب ہے
حکم خوردن نہیں ہے کاتب سے

ہجو لاغر

ایک تو مہرباں ہمارے ہیں ‌ ‌ کیا کہوں قہر درد مارے ہیں
کیا کروں ان کی لاغری کا بیاں ‌ ‌ دل تڑپتا ہے کانپتی ہے زباں
جن کا تعویذ ڈنڈ ہرائی ہے ‌ ‌ ہاتھ ان کا دیا سلائی ہے
اون کو مچھر نے آن کر گھیرا ‌ ‌ مال زادی کا پوچھتے ڈیرا
کئی کوسوں تلک نکل گئے وہ ‌ ‌ غرض ہر طرح سے بہل گئے وہ
مال زادی ہوئی جو ہم آغوش ‌ ‌ مارنے لاگی سر اوپر پاپوش
کہنے لاگی یہ کون سی ہے ادا ‌ ‌ مجھ پہ تو ظلم کیوں کرے ہے سدا
ارے بی تجھ سے مجھ کو آدر ہے ‌ ‌ تو ہی خواہر ہے تو ہی مادر ہے

جوتیاں سر پہ کیوں لگاتی ہے　　تو اگر زور آزماتی ہے
ادّا آ کے مجھ سے پنجہ کر
بعد ازاں میرے سر کو گنجہ کر

ہجو میر معصوم

ایک ہیں آشنا میرے مجہول　　خود نما بوالفضول و نامعقول
آپ کو سب سے خوب جانتے ہیں　　کب وہ کہنا کسی کا مانتے ہیں
جس سے ملنا دماغ سے ملنا　　کس کی تعظیم کا ہے کو ہلنا
یا کہ فرعون بد سرشت ہیں یہ　　یا کہ شدادِ بے بہشت ہیں یہ
یا بھتیجے ہیں یہ اسد خاں کے　　متبنّیٰ ہیں خان دوراں کے
یا یہ شائستہ خاں کے پوتے ہیں　　خان خاناں کے پوتے سوتے ہیں
یا کہ نانی تھی ان کی نورجہاں　　ان کا نانا تھا شیر افگن خاں
کون ہیں کیا بلا ہیں یہ کیا ہیں　　کچھ نہیں ہیں غرض تماشا ہیں
ایک بھاٹی ہوئی سی شطرنجی　　ایک لونڈی ہے گھر میں سو گنجی
تس پہ تکیہ کو رکھ کے لیٹے ہیں　　آپ احسان خاں کے بیٹے ہیں
اب سنو ذکر جگ ہنسائی کا　　میر صاحب کی کدخدائی کا
آپ اپنا بیاہ کرتے ہیں　　خسر کا گھر تباہ کرتے ہیں
گئے مشاطہ اون کو بلوا کر　　شان شوکت انھوں کو دکھلا کر
کہتے ہیں میں بیاہ کرتا ہوں　　لیک نافوں سے سخت مرتا ہوں
کسی عمدہ کے گھر کی لا نسبت　　گر ہو مفلس تو اس سے کیا نسبت
میں تو عاشق جہیز کا ہوں گا　　مہر چاہو گے تو نہیں دوں گا

قصہ کوتاہ غرض بحال تباہ
ہوئے آمادہ جب برائے بیاہ

رنڈیاں راہ میں تو دیکھ برات
کہیں آپس میں مل کے وہ بہات

وائے کس طرح کا یہ دولہا ہے
یہ موا ہاتھ سے تو لولا ہے

انگلیاں یہاں تلک ہیں زشت و کرخت
خشک ہوں جیسے شاخہائے درخت

کیونکہ دلہن کے تئیں اٹھاوے گا
دست سالم کہاں سے لاوے گا

سر کہاں ہے تلا ہے مانڈی کا
حلق جیسے گلا ہے ہانڈی کا

بھویں آپس میں اس طرح رلیاں
جس نمط لڑ رہی ہوں چھپکلیاں

چشم تو ہے برنگ دیدۂ بوم
نہ دکھاوے خدا یہ صورت شوم

کان پھیلے ہیں جوں پر شپرک
ہے بنا گوشش جوں سر شپرک

ناک تو اس طرح سے ہے اینٹھی
جیسے جونٹے پہ مینڈکی بیٹھی

دیکھیو دیکھیو ذرہ یہ مونچھ
جیسے ٹانگن کے ہو لنڈوری پونچھ

منہ تو وہ ہے کہ جس میں دانت نہیں
پیٹ وہ ہے کہ جس میں آنت نہیں

سوچ کر لب اتھل پڑے ایسے
کانچ نکلے ہے .... سے جیسے

ناف کا چھید تو بغارا ہے
گویا لڑکوں کا پنجی پارا ہے

چوتڑوں کا پڑا ہے ۔ ڈھال
جیسے مرجھا رہی ہو خشک کھال

...... کا کیا علوئے شان کہوں
تھوک دوں بلکہ پیلدان کہوں

پاؤں تو اس قدر ہیں بدرنگ
پائے طاؤس کو ہے جیسے ننگ

کف پا نے تلی کو توڑ دیا
جوتیوں نے قدم کو چھوڑ دیا

وائے رے وائے بنتے بھبن دیکھیو
چال دیکھیو ذرا ڈھلن دیکھیو

توند تو اس طرح سے لٹکی ہے
گویا ساچق کی پھوٹی مٹکی ہے

ان سوا اور جو ہیں بازاری
یوں کہیں ہیں زراہ غم خواری

نہ تو پیڑھی نہ چارپائی لی! نہ سلامی نہ منہ دکھائی لی
کیا ملا ہے جہیز میں .... ایک سسرے کا مقبرہ پایا
ساس کا کیونکہ وہ کرے نہ گلا اور تو کیا ہے بکر بھی نہ ملا
گھر میں میراسنیں یہ گاتی ہیں سمدھنوں کے تئیں سناتی ہیں
بوڑھی بنڑی کو ٹک تو ڈھکنے دو ذرا نوشہ کو ٹونا لگنے دو

اے فغاں کب تلک کہوں احوال
کوئی معصوم سا نہیں چنڈال

ہجو شاہ عبدالرحمٰن الہ آبادی

لکھے شرح غم گر دلِ دردناک تو اپنی زباں کلک کرتی ہے چاک
میرے شعلۂ آہ پر کر نگاہ بہاتے ہیں چشموں سے اشکِ سیاہ
نپٹ سخت ہے ماجرا درد کا دلِ سرد کا اور رخ زرد کا
بیاں سے بجا ہے کہ خاموش ہوں کسی سے نہ یہ راز اپنا کہوں
ولیکن چھپانا اسے ہے حجاب کہ یہ راز روشن ہے جوں آفتاب
سنو اے عزیزاں حکایت کے تئیں گرفتار غم کی روایت کے تئیں
جہاں میں میرا ایک دلدار تھا اسی سے مجھے تو سروکار تھا
نہ کچھ کام تھا مجھ کو گلزار سے نہ واقف تھا ہرگز گل و خار سے
نہ سمجھوں تھا بلبل کی فریاد کو نہ جانوں تھا میں جورِ صیاد کو
نہ معلوم تھا مجھ کو فرہاد بھی سنا تھا نہ میں قیس ناشاد بھی
اگر ان کا کچھ درد پاتا تھا میں تو کاہے کو خاطر میں لاتا تھا میں
مجھے دردمندوں سے کیا کام تھا سدا وصل کے بیچ آرام تھا

جب اس یار پر دھیان کرتا تھا میں
تو یوسف کو قربان کرتا تھا میں

اسی کو میں کہتا تھا ہر ماہتاب
وہی تھا مرا پنجۂ آفتاب

میں پوجوں تھا نت اس صنم کے تئیں
نہ سجدہ کروں تھا حرم کے تئیں

وہی ماہ تھا اور وہی شاہ تھا
غرض کچھ ہی تھا میرا اللہ تھا

میں کافر ہوں اس کی شکایت کروں
جو گذری ہے سو تو حکایت کروں

سدا سیر تھی مجھ کو گلزار کی
کہیں خوش طبع ہو میرے یار کی

اگر اتفاقاً وہ نازک مزاج
چلے تھا وہاں سے تو میں لاعلاج

یہ کہتا تھا رو رو ستمگار کو
نہ چھوڑ اس مزے بیچ تو گلزار کو

ارے دیکھ غنچہ کا دل باغ باغ
ارے دیکھ لالہ کے سینہ کا داغ

ارے دیکھ خوش چشم نرگس کا حال
کہ حیرت سے رہ گئی ہے آنکھیں نکال

ارے اے مری جان اس وقت میں
ارے تیرے قربان اس وقت میں

ترا عشق کے کہنا میں گھر جاؤں گا
میرا رو کے کہنا میں مر جاؤں گا

یہی مجھ میں اس میں تھا راز و نیاز
کوئی اس میں محمود کوئی ایاز

فلک نے یکایک ستم یہ کیا
دل شاہ کو داغ حرماں دیا

نہ پہنچا کوئی واں میری داد کو
چلا تب تو میں مرشد آباد کو

سنو ماجرا اس سفر راہ کا
اثر اڑ گیا یہاں میری آہ کا

کہاں سے کہاں چرخ لایا مجھے
عجب شہر جھنڈا دکھایا مجھے

یہ وہ شہر جس کو کہیں ہیں پراگ
میر اس جلے آج دوں اس کو آگ

جہاں تک تری بحر واں سیل ہے
نظر آئی خشکی تو کیچر ملی ہے

لکھوں خاک نقشہ میں اس شہر کا
کہ یہ تو ہے بیت الخلا دہر کا

کروں وصف کیا واں کے بازار کی
نرالی ہے گرمی خریدار کی

اگر کوئی لے اپنی جنسِ گراں یہ چاہے کہ بیچے بہ قیمت گراں
نہ لیویں جو قیمت کریں کم کریں کوئی اور لیوے تو برہم کریں
ترازو پہ رکھ تول لیں لعل کو غرض سنگ کے مول لیں لعل کو
خریدار جھپٹ یہ جو دلّال ہیں سو وہ ایک ..... چنڈال ہیں
ہوئی یہ خطا گر خریدار سے لیا ماہِ کنعاں کو بازار سے
کہیں کیوں لیا ایک دینار کو کہ مہنگا ہی یوسف خریدار کو
لکھوں وضع گر مردمِ شہر کی کم ہو جاوے حرمت ابھی دہر کی
عجب دہر ہی جس میں یہ شہر ہی مصیبت ہی زنداں ہی قہر ہی
نکالے خدا اس بلا سے شتاب نہ ہو گا جہنم میں اتنا عذاب
اگر ہو گا تو یار ہوں گے کئی وہاں میرے غمخوار ہوں گے کئی
وہ پہنچیں گے آخر مرے درد کو دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو
کہوں گا کہ میں عاشقِ زار ہوں میری داد دینا گرفتار ہوں
یہاں کون پہنچے میری درد کو دکھاؤں گا اپنے رُخِ زرد کو

یہ کچھ ہوں مجھے ان سے کیا کام ہی رہے جس کو اس جا میں آرام ہی
مجھے اتفاقاً ہوا اتفاق کہ آئے نظر یہاں کے اہلِ نفاق
یونہیں ہنستے ہنستے یہ آیا خیال بھلا دیکھیے یہاں کے صاحب کمال
انھیں شاعری میں ہی کتنا شعور کوئی ریختہ پڑھیے ان کے حضور
پڑھا ریختہ میں تو خاموش تھے زباں سے انھیں کیا فقط گوش تھے

نہ از راہِ شوخی یہ حرکات ہی میرے پیر صاحب کی وہ ذات ہی
اگر کوئی جا ان کو دشنام دے کہیں تجھ کو اللہ آرام دے
کہیں آپ کو مرشدِ کائنات تبرک ہی یہاں پیر صاحب کی نات

سعیدا ہی قصاب میر افذیم — میرے گھر کا نجّار حافظ حلیم
اسی کا تو شاگرد زہاد ہی — کہ یہ تیشہ رانی ہیں استاد ہی
سنو جس کی پھولی گلستان ہی — وہ سعدی میرا بوڑھا دربان ہی
نظیری مجھے دیکھ خاموش ہو — اسے خانخاناں فراموش ہو
رکھے تھا اگرچہ وہ دستِ سخا — تو میں بھی نوکر رکھتا ہوں دستِ دعا
کئی شعر ہیں یاد استاد کے — تصدق ہوں میں آپ کی یاد کے
سو کہتے ہیں وہ میرے مضموں ہیں — تبھی اس فصاحت سے موزوں ہیں
اگر کوئی بولا کہ فرمائیے — نئے شعر کچھ اپنے پڑھ جائیے
تو اس مثنوی کو پڑھیں ہیں پکار — کہ تا شاہدی دیویں اہلِ جوار
"کریما بہ بخشائے برحالِ ما — کہ ہستم اسیرِ کمندِ ہوا"
کبھی کاٹ کا ایک تکہ بنا — پھرے ہیں یہ پڑھتے ہوئے جابجا
الٰہی بہ اعزازِ آن پنج تن — کہ ہستند فخرِ زمین و زمن
جو ہندو سے ملتے ہیں وہاں رام ہیں — مسلماں کے شیخ الاسلام ہیں
جو ہندو کہے ذات بتلائیے — برہمن ہوں کایت ہو فرمائیے

تو کہتے ہیں سنتا ہی اوتار ہوں
میں اگلے زمانہ کا سردار ہوں[1]

ہجو برادر

سنو مہرباں یہ میری عرض ہی — تمھیں کوشش کرنا اسے فرض ہی
کہ میں سخت بیکس پریشان ہوں — کوئی دن کا یہاں تیرا مہمان ہوں

---

[1] پنجاب یونی ورسٹی لائبریری کے نسخہ میں ہجو شاہ عبد الرحمان اِلہٰ آبادی کے ساتھ پانچ صفحوں کے حاشیہ پر شاید کوئی اور ہجو لکھی ہوئی ہی جو پڑھی نہیں جاتی۔

کہاں تو کہاں میں کہاں شہر یہ — کہاں باغ بیگم کہاں نہر یہ
کہاں چاندنی چوک و گنذرے کی سیر — کہاں ہے یہ کعبہ کہاں ہے وہ دیر
سناتا ہوا اپنی فریاد کو — چلا جاؤں گا مرشد آباد کو
میرے بعد جو ملک سے پائیو — بڑے بھائی ہو شوق سے کھائیو
ولیکن میرا اب تو حصہ نہ لو — خدا کی طرف دیکھ کر کچھ تو دو
کہ یہ ملک باغ فدک تو نہیں — پڑی ہے گی جھگڑے میں جس کی زمیں
میرے حق کو مت کر غصب میرزا
بھلا غاصبِ حق کو کہتے ہیں کیا

سرگذشت لشکر راجہ رام نرائن بہادر

کیونکر کٹیں گے یارب یہ بے شمار فاقہ — مجھ کو تو دوسرا ہے نفروں کو چار فاقہ
اعلیٰ سے تا بہ ادنیٰ جتنے ہیں گرسنہ ہیں — لشکر میں ہو گئے ہیں بے اعتبار فاقہ
کوئی اگر سپاہی سردار سے کہے ہے — لینا خبر شتابی مرتے ہیں یار فاقہ
کل سے نفر نے میرا گھوڑا نہیں ملا ہے — مقدور نہیں بشر کا کاٹے ہزار فاقہ
سن کر اسے یہ کہنا یکساں ہے حال سب کا — تیرا نفر ہے بھوکا میرے کہار فاقہ
ہیں فاقہ مست اکثر ان میں سو یوں کہیں ہیں — ...... آج رنڈی توڑیں گے یار فاقہ
رنڈی کہے ہے میں تو بھوکی ہوں تین دن سے — ..... میرے منہ میں مجھ کو نہ مار فاقہ
دیوان کے تو در پر دربان یوں کہیں ہیں — کیا لکڑیوں کو کھاویں ہیں چوبدار فاقہ
دیوان کہے ہے سچ ہے کیا کھاویں یہ بیچارے — ان کا تو عرض بیگی ہے کون تغار فاقہ
اقبال کے نشاں کو ادھار لے گیا ہے — چٹ کر گئے پھریرے ہیں باندار فاقہ

پہنچا ہے یہاں تلک تو احوال اصطبل کا
غازی کی... پھانی چابک سوار فاقہ

ہاتھی کی... میں بیٹھے ہیں شیخ بھینا
ہو سے کا کون اس کو ہے فوجدار فاقہ

کہتا ہے ساربان تو میں شتر کو لادوں
ہوں ایک دو بلا سے ساری قطار فاقہ

شاہ و گدا کی حالت یکساں ہے میرے صاحب
تنخواہ دار بھوکے روزینہ دار فاقہ

مرغ چمن کو اب تو ملتا نہیں زر گل
بلبل نے اس چمن میں کاٹے ہزار فاقہ

بندے سبھی خدا کے کہتے پھرے ہیں الجوع
القصہ کیا کہوں میں سارا دیار فاقہ

ہجو بسنت خاں

نہ عشق صفاتی ہوا تحقیق نہ ذاتی
غفلت میں مری عمر یک رو چلی جاتی

کہنا سخن چند جو رکھتے ہوں فصاحت
نت طبع مری تشنگی لفظ پر آتی

آگہ ہے زباں نعت سے یا مدح سے واقف
دم پر تبھی آتی ہے جو ایذا کہیں پاتی

ہوں تیغ صفت دست جواں مرد کے لائق
نامرد کے ہاتھوں کو میری آب کٹاتی

کیوں کر نہ کروں چرخ ستم گار کا شکوہ
صیقل سے مٹے ہے یہ میرا جو ہر ذاتی

ناگاہ مصیبت میں گرفتار ہوا میں
یہ مجھ کو اذیت میری تقدیر دکھاتی

ورنہ میں کہاں اور یہ گھر خواجہ سرا کا
اس در پہ مجھے گردش افلاک ہے لاتی

آیا تو ہوئی یہاں مجھے فاقہ سے ملاقات
ہر روز یہ ہے گرسنگی ضعف بڑھاتی

ہوں جائے ترحم میری اوقات کو دیکھو
پہنچی ہے میرے درد سے یہاں سنگ کی چھاتی

کہتا ہوں بجاول کو کبھی لقمۂ تر دے
کس طرح سے کھاؤں مجھے روٹی نہیں بھاتی

کہتا ہے کہ خشکا نہیں خشکا جو پکاؤں
بھوکے رہو..... سے یہی چار چپاتی

تس پر یہ ستم ہے کہ نہ قلیہ کا پیالہ
وہ چار چپاتی کئی دن سے نہیں آتی

ہر صبح کو میرا ملا جاتا ہے کلیجا
بارے کئی دن تک میری اوقات کٹی یوں
یعنی کہ بیاں کیجیے اوصاف میاں کا
بد خلق یہاں تک کہ ہمیشہ ہی منغض
کہتا ہے کہ نینی کے تئیں جلد بلانا
دوڑے جو نقیب اس کے تئیں کھینچ کے لائے
دھو کے ہیں کہ شاید میاں فیضو ہی ہو ویں
القصہ دل اس کے کو یہاں تک تو لبھایا
انگڑائیاں لیتا ہوا جا سیج پہ لیٹا
بستر پہ لٹا کر جو ہیں ٹانگوں کو اٹھایا
اس عمان ہتھیلی کا قیامت ہے تڑاقا

. . . .

رنڈی لگی کہنے میں اگر جانتی ایسا
مشغول تھے اس میں کہ وہ ہیں آن کے بچلے
فرمایا کہ جلدی کریں تیار سواری
بارے چلے دربار کو وہ شان بنا کر
از بسکہ میاں تو میرا ایک سا رنگ نہیں ہے
کہنے کا تو بلا ہے وہ اتا کا پیارا
تو جیوے سلامت رہے دنیا میں بلا لوں
گھر میں تو بڑی بی بی کی شادی ہے ہمیشہ
اے پیر ہٹیلے میں تیری ہٹ کے تصدق

انتڑی بھی مجھے سورۂ اخلاص پڑھاتی
پھر طبع کی جودت مجھے مضمون سُجھاتی
مشہور ہو تو آپ کی یہ خوبی ذاتی
چرچہ یہ کبھی طبع مبارک اگر آتی
پتا کو بھی لے آویں کہ وہ ساتھ ہی گاتی
آئی تو لگی ناچنے اور بھاؤ بتاتی
کھل کھل اسے ہر طرح سے آنکھوں میں بلاتی
کہنے لگا چل سوئیے اب نیند ہے آتی
اتنے میں یہ جا پہنچی وہاں نیند کہاں تھی

. . . .

چپٹی کی صدا گور کے مُردوں کو جگاتی

. . . .

. . . .

بولا کہ چلو قبلۂ عالم ہے بلاتی
ہے ہے یہ مجھے ڈومنی کیا ناچ نچاتی
حاضر ہوئے سرکار کے سنگوتی منگھاتی
چیرا جو بسنتی ہے تو جامہ ہے بناتی
نت دیکھ سواری بڑی بی بی پہ بناتی
یہ زرد عماری تیری کتنا تیرا اٹکتی
وہ کون سا دن جو نہیں پیروں کو مناتی
بلوا کے ڈفالی کو یہ ہلی بھٹی گواتی

دربان پکارا کہ گرد اڑا ہوا کلو — بندی تو اسے قبلہ عالم ہی سمجھ جاتی
جوں ہی یہ خبر آئی تو سر پیٹتی دوڑی — کرتے کو اٹھا رابعہ ...... چلی آتی
پہنچی تھی وہ در تک کہ خبردار سے پوچھے — کشمیرنی ڈیوڑھی کے اوپر دھوم مچاتی
کیا پوچھتی ہی جا بڑی بی بی ان خدا کو — یہ خول تیرے پیٹ چچا کا ہی گرانی
دربار سے روشن ابھی آیا ہی بلاؤں — دیوان کنے فرد و قبالہ پڑھی جاتی
یعنی میاں صاحب سے زر قسط ہی منظور — خلعت ہی اسے بو والہ بیگہ پہناتی
ملتی ہی اگر کوئی محلہ کی زرا ملی! — یہ درد دل اپنا اسے رو رو کے سناتی
جس مرد کو دیکھا سو پریشان نظر آیا — دولت تو بجز ...... کتائے نہیں آتی
بہنا جو مجھے خوجہ گر اس وقت میں ملتا — پہلے میاں یعقوب کے لولو کو کٹاتی
صد قبلہ عالم کی صدا جانیے کیا ہی — ناظر سے بھڑاتی ہی بہادر سے لڑاتی

حضرت جو کبھی منع نہ کرتے تو یہ بی بی
چیچٹی کی سلائی کو بھی آنکھوں میں پھراتی

قطعہ در ہجو عمو

جس روز کہ دہلی سے فغاں میں ادھر آیا — حیرت میں ہوں ابتک کہ الہی کدھر آیا
آئی جو نظر حضرت حاجی کی حویلی! — وہاں دیکھتا ہوں کیا کہ چچا جی کا گھر آیا
چاہا کہ ذرا بیٹھیے ٹک دیکھیے ان کو — لوگوں نے وہیں آن کے یکبار ڈرایا

یہ وہ ہی سقیفہ کہ بنی سعد بھی اس کو
کہتا ہی الہی کہ میرا گھر کدھر آیا!

قطعہ در ہجوِ کاتب

یہ جو میرا ہے نو رقمِ دیوان! نسخہ نسخے کا بھولا بھالا ہے
کچھ نہ سیکھا غلط نویسی بن ہوش جس روز سے سنبھالا ہے
ہائے ہنوز سے وہ لکھے ہے ہنا آپ کا رسمِ خط نرالا ہے
قائلِ طبع زاد ہے ظالم! میں نے دشمن بغل میں پالا ہے
زندگی ہے مری سخن جس کو سہوِ کاتب نے مار ڈالا ہے

ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی خان المتخلص بہ فغاں مخاطب بخطاب ظریف الملک مصاحب الدولہ کوکہ خان بہادر بکیہ تاز جنگ سلمہ اللہ الرحمان[1]

---

[1] پنجاب یونیورسٹی کے نسخے کے آخر میں "راقمہ سلطان علی" لکھا ہوا ہے

فارسی کلام

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پسند خاطرم آمد ازیں دنیا و ما فیہا ادائے خندۂ ساغر صدائے گریۂ مینا
صنم جویاں زہی کوشش زہی جوشش زہی مستی مسلماناں زہی ایماں زہی طالب زہی تقوی
چہا از درد می نالی چہا از رنج می رنجی بدردت می رسد یارت فغاں امروز یا فردا

قطعہ

بکوئے خود اسیرم نگہدار یارا خدارا خدارا خدارا خدارا
بسویم گذر کن بحالم نظر کن نگارا نگارا نگارا نگارا
چہ تقصیر کردم چہا گفتہ‌ام من شمارا شمارا شمارا شمارا
مرا کے گذاری اگر میگذاری جفارا جفارا جفارا جفارا

قطعہ

ہماں منم کہ ہم آغوش کردۂ تو مرا چہ کردہ ام کہ فراموش کردۂ تو مرا
قبائے سرمئی اے نور دیدہ می پوشی بایں لباس سیہ پوش کردۂ تو مرا
اگر بپائے تو دستم رسد مضائقہ نیست معاف دار کہ بیہوش کردۂ تو مرا
گذشتم از سر شکوہ تو بگذر از دشنام خموش باش کہ خاموش کردۂ تو مرا

قطعہ

بسکہ از عریاں تنی شادیم ما از تکلف سخت آزادیم ما

خط نخواند از حال ما آگه نشد   کاشش دل را می فرستادیم ما
از تو آباد است ای غم خانه ام   خانه ات آباد آبادیم ما

قطعه

گفت روشن زد رازی شب تار مرا   می کشد تا به صحرای دل بیمار مرا
بت پرستی نبود از سر من تا دم مرگ   رگ جان گشت مگر رشته زنار مرا

قطعه

چشم بیمار تو مجروح چنان کرد دلم   که عیادت نکند باز پرستار مرا
پادشاه اند گدایان مقیم کویش   تاج سر گشت همین سایه دیوار مرا
یوسفی بود دلم لیک به ستمش دادم   بس عزیز است فغان خاطر دلدار مرا

رباعی

شب کوی یار رفتم بوسیدم آستان را   من در بلا فگندم بیچاره پاسبان را
بار دگر نخواهد گردید چاک جیبش   ناصح بیا رفو کن من گفته ام فغان را

اشک اگر نبود شب هجرت گریبان گیر ما   خلق را بیدار سازد ناله شبگیر ما

چیده رنبه می شود جگر پاره پاره ام   از یک دگر جدا مکن این لخت لخت را

رباعی

خاموش[1] می‌شود جگر داغ داغ ما — دامن مزن نسیم سحر بر چراغ ما
از چشم روزگار فتادیم و گم شدیم — جز طفل اشک کیست که گیرد سراغ ما

قطعه

به مهر نیست غرض نامهٔ مرا قاصد — که بر عقیق لبش کنده‌اند نام مرا

قطعه

از دست داد گرمی بازار خویش را — یوسف چها نداد خریدار خویش را
جان را دادم و تو به عیادت نیامدی — آزرده ساختی دل بیمار خویش را
چشم فغان سفید شد از انتظار یار — ناچار بست دیدهٔ خونبار خویش را

قطعه

از عشق تو خون گشت دل نوحه‌گر ما — ای بی‌خبر از ما نگرفتی خبر ما
این کشتهٔ نازت گله از تیغ ندارد — در شکر تو وا شد لب زخم جگر ما
صیاد ز انصاف بعید است که از دام — آزاد شود طائر بی بال و پر ما

چه گنه آن نگار کشت مرا — من چه کردم که یار کشت مرا

---

[1] پنجاب یونیورسٹی نسخہ "افسرده می‌شود"

قاصد از کوی او نمی آید — دل امیدوار کشت مرا
کاشکی در وصل خاک می گشتم — هجر در انتظار کشت مرا
در هم شهر در رسید فغان — گرم جوشی یار کشت مرا

تا قیامت تر بماند دیدهٔ نمناک ما — بعد مردن گل بر آید گر بکاوی خاک ما

اسباب هستی ما ناچار کرد ما را — عاشق ز خواب راحت بیدار کرد ما را

قطعه

آخر ای ماه درین غم کده یکبار بیا — دم صبح نیایی بشب تار بیا
دست بگذار بدل بر سر بالین بنشین — جان من بهر پرستاری بیمار بیا

ای زلیخا گریه کمتر کن بهنگام وصال — می شناسد اشک نور دیدهٔ یعقوب را

قطعه

مالیده ام بچشم خود آن خاکپای را — پوسیده ام فغان در دولت سرای را
حاجی غلاف کعبه عوض گر کند بجاست — گیرد چو دامن عصمت فزای را
در حشر از محاسبهٔ عشق فارغم — بخشیده ام بقاتل خود خونبهای را
تیغ نگاه را بقیمت سپرده — دادی ز دست ناخن گره گشای را
دشنام را تو در حق عاشق روا مدار — کس حرف تند و تلخ نگوید گدای را

قطعه

عاشق بباغ یا به بیابان نشسته است
دل را ز دست داده و حیران نشسته است

جائی نرفته است دلم غیر زلف یار
جمع است خاطرم که پریشان نشسته است

تا کی ازان نماند که زخمش رفو شود
دیوانه ام بفکر گریبان نشسته است

خندان چه میشوی خبر مبتلا بگیر
امشب فغان به بزم تو گریان نشسته است

ابروی او که قبلهٔ دلهای پر غم است
بهر شهید عشق هلال محرم است

جانان بیا به سر بالین من نشین
آن واپسین دمی که شماری همین دم است

لب بسته ام ز شکوهٔ آن شعله رو فنا
بهر جراحت دلم این آه مرهم است

رباعی

چون ندارم طاقت صبر و قرار از دست رفت
تا که یار آید دل امیدوار از دست رفت

خاک کوی یار در چشم بجای سرمه بود
از هجوم گریه این مشت غبار از دست رفت

قطعه

از هستی ما قافلهٔ عمر روان است
آگاه نیم منزل مقصود چسان است

در خواب عدم دل هوس لاله و گل داشت
تا چشم گشودیم درین باغ خزان است

عمریست که از سینهٔ من رفت و خبر نیست
باشد دل من پیش تو این نیز گمان است

کی قامت او بر سرم آید و قیامت
زلف سیه یار بلای دل و جان است

از گرسنگی هیچ نپرسی که درین شهر
هر روز مرا غرهٔ ماه رمضان است

مرغان چمن بر سرم از درد بنالید — آگاه نمائید که این خاک فغان است

رباعی

گر دل نگرفت بے نیاز است — در طالب جان شو و نیاز است
روزانه نمی کنیم فریاد — آخر شب عاشقان دراز است

رباعی

از بس چه شد که موافق بدشمنان منست — بت منست که روح منست و جان منست
همیشه بر سر قصه آمدے و میرندے — گہے ز لطف نہ گفتے کہ این فغان منست

از فغانش بچمن خواب شبها مارا — نه بدیوانگی مرغ گرفتارے هست

قطعه

وفا برائے رقیبان جفا برائے منست — چرا بروئے تو عاشق شدم سزائے منست
بسوئے کعبه روم یا بسوئے دیر روم — بهر طرف که روم خانه خدائے منست

در خواب چو دیدم گره زلف تو باز است — تعبیر همین است که عمر تو دراز است

اکنون گله ز ابروے و مژگان مکن فغان — خون از دلت بر آمد و تیر از کمان گذشت

سجده گاه عشق جائے دیگر است — آں بت سرکش خدائے دیگر است

دیگراں از پا وصلش بسر   خانه اش دولت سرائے دیگر است

عجز باید همزانوے در کنار   همزانوئیم همزانوے دیگر است

اے فغاں آں دلبر بیگانه خو   چوں نه نالم آشنائے دیگر است

موج دریا انقلابے بیش نیست   زندگی ما حبابے بیش نیست

ایں طلسماتے که می بینیم ما   چشم چوں بستیم خوابے بیش نیست

عاشق و معشوق بیگانه نیند   درمیاں حائل حجابے بیش نیست

دل همیں یک قطرهٔ خون است و بس   از جگر پرسی کبابے بیش نیست

خاطر عشاق را تسکین کجا   در دل ما اضطرابے بیش نیست

بر زبان ما سوال بوسه است   در دهان او جوابے بیش نیست

ایں چنیں دردے که هست از فغاں   گر کنی رحمے ثوابے بیش نیست

عرض کردم که بشفقت چه قدر خوار شدم   سوئے من دید و بفرمود فغاں ایں همه نیست

شد نزار از جدائی کردی و جانے مانده است   تا که در استخوان من فغانے مانده است

چشم من از گریه بس کن جانب پیکاں ببیں   قطرهٔ خوں از برائے بہانه مانده است

نے بوئے گل همیں بدماغم رسیده است   فریاد زد جگر که بداغم رسیده است

روشن نشد است دیدهٔ خونبار من فغاں   روغن ز چشم دل بچراغم رسیده است

۱؎ دونوں نسخوں میں پڑھا نہیں جاتا

درمیان باده حال گل حباب افتاده است — مستی شده کار ما بادل خراب افتاده است
گر نمی خواهی درون خانه نگاه کن جلوه — به درت آخر که خانه خراب افتاده است
چشم روشن شد که روی یار امشب دیده ام — دل نمی دانم چرا در اضطراب افتاده است
از نظر انداخت تو دیده اش دیدیم ما — گوهر اشک فغان بی آب و تاب افتاده است

آن گل زبرم وقت سحر چو صبا رفت — من نام خدا گفتم و او نام خدا رفت
این سالک ملک عدم از پرده هستی — تا خوانده چه آمد و نا گفته چرا رفت
امروز به بزم تو نه دیدیم فغان را — شاید ز سر کوی تو آن بی سروپا رفت

دلم بآتش شوق تو نال افتاده است — اگر دو نکته اشک مشکل افتاده است
بهر دیار که رفتم نشان دل پیداست — که خون دیده تو منزل بمنزل افتاده است
نظر چو سوی مزارم کنی ظالم — هزار حیف که این نقش باطل افتاده است
صدای ناله بلند است از در و دیوار — ز خاک آب همی او نشسته دل افتاده است
ز چشمهای ستمگر فغان رهائی نیست — دل غریب بدست دو قاتل افتاده است

دیده ما ز اشک سیراب است — چشم بد دور عالم آب است

ای جنون در دشت ما از چشم آهوی پیداست — گر نه بهر تماشای دیوانه ما آهوی آمده است

کردم دل بلاکش خود را نثار دوست — جان هم فدا کنم که بیاید بکار دوست
از بدگمانی دل خود ای فغان مرا — نی اعتماد دشمن و نه اعتبار دوست

بدست نامه بر ما پیام گفت و نگفت   اشاره کرد به ابرو و سلام گفت و نگفت

دل چو بگداخته شد ز آتش غم مینا گشت   اشک چون رفت ز چشم تر من صهبا گشت

داغ در سینه یادگار کسی است   گل پژمردهٔ بهار کسی است

قطعه

تند بگذرد ز کوی یار نسیم   چشم ما فرش رهگذار کسی است
تو که بر باد می دهی ما را   آخر این خاک هم غبار کسی است
ناصحا دست از فغان بردار   دادن دل باختیار کسی است

بت نا آشنا که خانه ام را خانه می داند   دلم را می برد لیکن مرا بیگانه میداند
فغان از دست گل رو چه خدا دیدگی می بیند   متاع خانه را البته صاحبخانه می داند

خرام تو به عنوان تو باشد   خدایا نگهبان تو باشد

ناقه هر گه قدم خویش بجا گم آرد   روح مجنون تو گرد سر محمل برود
ای فغان صبر بنه باز طپیدن باز آ   که مبادا ز گشت دامن قاتل برود

در دل زخم جگر می داند   گریه ام دیدهٔ تر می داند
آنچه از فرق تو بر من بگذشت   دست من داند و سر می داند

دل طاقت این بیان ندارد   دردے دارد زبان ندارد

گریان مرا گذارد و خندیده می رود   رحمے نمی کند که چه از دیده می رود

بندهٔ زلف تو گشتند پریشانے چند   حیف در کفر فتادند مسلمانے چند
گشت تنهائی زندان تو صیاد مرا   کاشکی در دام تو افتند اسیرانے چند
خون روان است ز زخم جگرم آه هنوز   یار بے فائده افشاند نمکدانے چند
اے فغان تنگ نیم بر سر کویش تنها   هم چو من خاک نشین اند غریبانے چند

چه می پرسی مرا از دیدهٔ گریان چه می آید   بغیر از لخت دل در گوشهٔ دامان چه می آید

زخم دل کے به مرهم می شود!   این نه یارت نگاه عالم می شود

هرگز نرفت از سر کوئے تو جان من   مرغ دلم بخاک چو بسمل طپیده ماند
وقتے که یار دامن خود را کشیده رفت   آن دم فغان چه کرد گریبان دریده ماند

بیا ببین چه قدر چشم تو مروت کرد   چنان گریست که آخر غریق رحمت کرد
بپائے سرو چو قمری نگاه کرد مرا   رسید نعره زنان به سرم قیامت کرد
چه کرده است که تشهیر گشته است فغان   عبث عبث بت بے رحم مفت تهمت کرد

بیوفائے ما نظر هرگز بحال ما نکرد!   خویش را انداخت در خواب خیال ما نکرد

نهان معشوق بهتر هر که فارغ از حیا باشد　　چه حاصل است اگر دختر رز پارسا باشد

چه عجب عاشق اگر ناله و فریاد کند　　بلب داد از دل معشوق که بیداد کند

آخر آن شوخ ستمگار بما یار نشد　　خوب شد الفت دل کم شد و بسیار نشد

دوشش دیدم که ز بالین فغان یار گذشت　　حیف کین خسته ز غفلت زده بیدار نشد

رحمے بر آن غریبے که به هجر مرده باشد　　بت بے وفائے خود را بخدا سپرده باشد
گفتم فغان بکویت قربان خود جان را　　گردند روے خود را گفتا که مرده باشد

اے طبیب دل بیمار تغافل تا کے　　آخر این درد جگرسوز علاجے دارد

فغان محنت دلم از اشک چشم خونفشان گم شد　　نمی آید صدا شاید جرس زین کاروان گم شد
تو بودی یا که من بودم تو دزدی یا که من دزدم　　کجا جویم کرا پرسم دل من از میان گم شد

علاج درد الفت غیر ترک جان نمی باشد　　چه می نالی دلا خود کرده را درمان نمی باشد

نامهٔ اعمال من فردا چو پیدا می شود　　عاقبت این روسیاهی ها هویدا می شود

گلگون قبائے ما بگلستان گر رسید　　ما را ز سینه چاکی گلها خبر رسید!

نازے بران کہ تیغ تو جوہر بخود کرد — شادم ازیں کہ خون دلم تا کمر رسید

قربان شوم بناوک مژگاں بچہ لذت است — می خواستم نشانہ شود دل جگر رسید

ایں زخمی نگاہ تو صحت پذیر نیست — یک زخم بہ گشتہ و زخم دگر رسید

حاصل ازیں کہ عشق بدل اضطراب شد — اور انگشت فائدہ ما را ضرر رسید

امشب صدائے نالہ بگوشم نمی رسد — دست فغاں بدامن قاتل مگر رسید

از نامہ بر کہ خبرے داشتہ باشد — کو مرغ دلم بال و پرے داشتہ باشد

مردود صنم خانہ و ملعون جہان است — جز در گہ تو ہر کہ درے داشتہ باشد

از اشک بگیرید سراغ دل ما را — کیں قافلہ شاید خبرے داشتہ باشد

دفتر آتش عشقیم چہ می باید کرد! — مجمر آتش عشقیم چہ می باید کرد

یا بسوزید مرا یا بسپارید بخاک — اخگر آتش عشقیم چہ می باید کرد

خواہ پروانہ بگو خواہ سمندر ما را — طائر آتش عشقیم چہ می باید کرد

داغہائے دل ما صورت اخگر دارد — مجمر آتش عشقیم چہ می باید کرد

سوزش عشق فغاں ور خفا نقد بہ دم بود — دفتر آتش عشقیم چہ می باید کرد

قاتل من نشنیدہ است روز جزا بسر رسید — دامن خود ز دست من خواہ نخواہ می کشد

یار من رو برو نمی آید! — پیش آئینہ او نمی آید

کشتی مراد بارد گر وا نمی کنی — لہ خانماں خراب بیا تا کجا کنید

درون خانه با هر کس که او گرم سخن باشد
به آوازش هم گوشے که شاید حرف من باشد

سخنے همچو من قابل تکرار نه بود
کم شنیدی تو چرا این همه بسیار نه بود
یاد آن شب که فغان از سر بالینم رفت
چکنم بخت من سوخته بیدار نه بود

وصل قاتل شد میسر داغ هجر از دل نه رفت
زخم گر به می شود لیکن نشان کے می رود

کجا بختے که قاصد مژده از کوے یار آرد
نمی دانم چها بر دیده آخر انتظار آرد

گو بیند که دامان تو از دست فغان رفت
شاید به اجل دست و گریبان شده باشد

پرسش حال دلم آن ستم ایجاد نه کرد
جور را کرد فراموش که مرا یاد نه کرد
داد نالیدن دل آن بت بے رحم نداد
رو بگرداند نه با گوش بفریاد نه کرد
به تمنائے وصالش همه عمرم بگذشت
غم دل دور نه شد خاطر من شاد نکرد
بندهٔ ضبط فغانم که بایں درد جگر
ناله هر چند بلب آمد و فریاد نه کرد

مے و میخانه سلامت باشد
ساقی این خانه سلامت باشد
سنگ و طفلان بجهان بسیار اند
سر دیوانه سلامت باشد
چون گدا بر در او گفت فغان
صاحب خانه سلامت باشد

دل نمی دانم چرا مشتاق پیکان می شود
بر کمان ابروے خود این صید قربان می شود

گر صبا نفت می آئی خوش بهر او پیدا بکن　　　اے جگر افگارے خدنگ یار پنهان می شود
گر زر دیش یافت جمعیت دلم لیکن چه سود　　　حال من از زلف او آخر پریشان می شود
دیگران دل می دهند اے شوخ این جان می دهم　　　گر قبول افتد فغان ممنون احسان می شود

خانه بے یار خوش نمی آید　　　در و دیوار خوش نمی آید
شب چو فریاد من شنید و بگفت　　　آه بیمار خوش نمی آید
بے وفائی است شیوهٔ محبوب　　　وعدهٔ یار خوش نمی آید
اے فغان چاک کن گریبان را　　　دست بیکار خوش نمی آید

در سینه کجا قرار دارد　　　با ما دل ما چه کار دارد
دامن نکشی از سر مزارم　　　با خاک کسے غبار دارد
تشبیه مده بشمع دل را　　　کیں شعله بسے شرار دارد
احوال فغان ز ما مپرسید　　　بے چاره دل فگار دارد

غیر از دو چشم پرنم جائے دگر ندارد　　　میلے گزک مفرما عاشق جگر ندارد
در گوشهٔ دل من جانان بکن مقامے　　　کیں خانهٔ شکسته دربان و در ندارد

بدست تست کجا رفت پیش ما که نباشد　　　تو از کجا نه نداری دل از کجا که نباشد

داغ عشقت نهان نمی ماند　　　آخر این گل شگفته خواهد شد

خم زلفش کمند خواهد شد دل دیوانه بند خواهد شد
آتش دل نهان نمی گردد دود آخر بلند خواهد شد
من به طفلی شناختم خود را کین پسر دردمند خواهد شد
پیش مردم نماند قدر سرشک گریه ام زهرخند خواهد شد

از صبا بوی او نمی آید شاید از کوی او نمی آید
کشتهٔ تیغ حیرتم که بوصل در نظر روی او نمی آید

این که گویند یار می آید کی مرا اعتبار می آید
چون نظر می کنم به خندهٔ خویش گریه بی اختیار می آید
سر زخم جگر سلامت باد داغ کی در شمار می آید
یا علی مشکل فغان بگشا به درت بار بار می آید

مردم دنیا نمی گردد بغمخوار فقیر جز خدا دیگر که باشد یاور و یار فقیر
عارف سالک نه بند کفر و دین فارغ نشست رشتهٔ تسبیح می گردید زنار فقیر

بیهوده مگو لب بکشا ضبط نفس کن دود دل ریش است فغان آه نگهدار

شیوهٔ لطف و کرم یار ز عنوان تو بود رحم بر گریهٔ ما از لب خندان تو بود

بسمل کشتهٔ تیغ تو نگردد آرام	نام آسودگی از خاک شهیدان تو دور
دانشد مرغ دلم در قفس سینهٔ من	طاقت بال‌فشانی ز اسیران تو دور
چون بکف آورمت ای شوخ گریبان ترا	دست کوتاه من از گوشهٔ دامان تو دور
بوسهٔ مرهم داغ دل افگار شده	سوزش زخم دل من ز نمکدان تو دور
همه‌ها به در تو بغیر فغان موجوداند	هست آن غمزده از خیل غلامان تو دور

دل کجا رفته است حیرانم	من بجائے رسیده ام که مپرس

هر که گه که باز گردد بند قبای نازش	گل چاک پیرهن را دل کند نیازش

زلف تو بلائے جان عاشق	افسوس برائے جان عاشق
لعل تو حیات جاودان است	چشم تو شفائے جان عاشق
برخاک فغان گذر نکردی	این بود سزائے جان عاشق

دور است از رسم جهان لیل و نهار عاشقان	صبح وصالش در عدم شام غریبان در بغل

دارم خدنگ نازکے در کنار دل	هم یادگار سینه و هم یادگار دل

چرا بفکر دل بیقرار خود باشم	که او بکار خود و من بکار خود باشم
نه گل فشاند بخاکم نه کس چراغ افروخت	دلے بسوزم و شمع مزار خود باشم
نماند طاقت جسمم که بار هستی را	بدوش گیرم و تا چند بار خود باشم

زبسکه محرم درد دلم نماند فغان　　　انیس خود شوم و رازدار خود باشم

دامن ز دست این دل بسمل نمی دهم　　　من خون بهائے خویش بقاتل نمی دهم

خوش آن زمان که هم آغوش یار خود کردم　　　ز فیض آئینه رویان دوچار خود کردم
بخاک من اگر آن شوخ سنگ دل آید　　　چو گرد باد فغان گرد یار خود گردم

بعد عمرے بوسه زان لعل خندان یافتم　　　زخم دل چشم تو روشن شد نمکدان یافتم

گوئی که نمی گریم من سخت دلے دارم　　　من چون نشوم گریان بدبخت دلے دارم

چو خواهم اینکه برائے تو جان نثار کنم　　　حجاب مانع من می شود چه کار کنم

دلم بشهر نه وا می شود نه در صحرا　　　کجا روم تو بگو آه اے فغان چه کنم

کو طاقتے که دست و گریبان او شوم　　　سر افگنم به پایش و قربان او شوم

نخواهم گفت حرفے از در و دیوار می ترسم　　　اگر اندک دلم وا می شود بسیار می ترسم

پیش ازین هیچ به دنیا نبود تقریرم　　　مدعی خوش بجهان باشد و من دلگیرم
بعد من خاطر اطفال کرا منظور است　　　بسر لوح مزارم که کشد تصویرم

دست این پیر بگیری که تو هم پیر شوی   تو جوانی و من اے شوخ قیامت پیرم

چون شمع بعشق تو از خویش فراموشم   می خندم و میگریم می سوزم و خاموشم
کو ساقی و کو صهبا کو ساغر و کو مینا   من هیچ نمی دانم مخمورم و مدهوشم
آزادم و لیکن با کم من هیچ نیم خاکم   این جامهٔ عریانی افگنده که بر دوشم

یاد آیا مے که در کویش گذارے داشتم   بهر چشم دشمنان منت غبارے داشتم
بعد مردن جان من گر بگذری بر خاک من   یاد خواهی کرد من هم خاکسارے داشتم
عکس روے او بچشم و زلف او در دست بود   پیش ازین من هم فغان بلبل و بهارے داشتم

هیچ کس مجرم نباشد در سر و کار دلم   دل گنهگار منست و من گنهگار دلم
این چنین جنسے من از بهر تو ارزان کرده ام   می فروشم جان اگر باشی خریدار دلم
ناوک مژگان چرا خدمت گزین من شود   یک [illegible] هم نمی باید بسر کار دلم

در بند قبا این دل دیوانه نباشد   عریان شوم و تا به گریبان نه بخشم
خونابه که از دیدهٔ نمناک روان است   گر پاک کنی گوشهٔ داماں نه بخشم

نمی گویم که من گرد سرش بسیار گردیدم   دل خود را بدستش دادم و یکبار گردیدم
بپرسی را نمی مرا از درگهه خود اے طبیب دل   بامید شفاے آمدم بیمار گردیدم

چه شد گر در محبت جانب اغیار میبینم   هم این کم فرصتی روے ترا بسیار می دیدم

ماه در قریه نماندست بہ ہجر تو مرا — خدا را که چه حالت شد مرا[1]

مپرس حال دل من که سخت بیمارم — برو طبیب بدروی عجب گرفتارم

چو گرد کعبه ہندو شد مسلمان گشت — چو کفر از کعبه برخیزد کجا ماند مسلمانی

نه من پابند یک معشوق هستم بلکه آزادم — گهی در دشت مجنونم گهی در کوه فرهادم

تا از در دوست ما جدائیم — با ناله و آه آشنائیم
ای هم نفسان ز ما مرنجید — مهمان دو روزه شمائیم
ما را مفگن ز کوی خود دور — رحمی رحمی شکسته پائیم
شاهان همه بنده گدایند — صد شکر فغان که ما گدائیم

گردش چشم یار را دیدم — طرفه لیل و نهار را دیدم
نه همین آتشین ز اشک تر است — جیب دیدم کنار را دیدم
خالی از لخت دل نمی باشد — مژهٔ اشک بار را دیدم
که[2] . . . . چو نقش پا لیکن — لذت انتظار را دیدم
با امید تو شاد می گردد — دل امیدوار را دیدم
دل افسرده و انگشت فغان — باغ دیدم بهار را دیدم
ای خدای بت پرستان سوختم — دشمن جان مسلمانان سوختم

---

[1] و [2] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں ان دونوں اشعار کے مصرعوں میں تقدیم و تاخیر ہے کہ پڑھا نہیں جاتا۔

من ز دستِ آتشینِ خوئے چو شمع   ز آتشِ تارِ گریباں سوختم

غیر از تبِ حرماں دگر آزار ندارم   بیمارِ چنانم که پرستار ندارم
دیروز چناں کرد دلم خانه خرابی   کامروز بسر سایهٔ دیوار ندارم
گفتم صنما جان فغاں را تو ربودی   گفتا که دروغ است با و کار ندارم

که می آید فغاں بهر پرستاری ببالینم   گهے با عکس می سازم گهے آئینه می بینم

لب او وا نمی شود چه کنم   غنچه گویا نمی شود چه کنم
به نگاهی نمی خرد دل را   آه سودا نمی شود چه کنم
بر نمی آید آرزوئے دلم   یار تنها نمی شود چه کنم

دل داغ دار دارم بفراق یار سوزم   نه چراغم و نه شمعم که بهر مزار سوزم

بروز حشر که من سر بدوں ز خاک کنم   برنگ صبح گریبان خویش چاک کنم

من چشم التفاتے از هیچ کس ندارم   غیر از خدا کسے را فریاد رس ندارم
در پاسِ طپیدن دل جانم ز تن بر آید   مرغ شکسته بالم تاب قفس ندارم
حیرت سرائے رنگینی تصویر ساخت ما را   خاموش می نشینم گویا نفس ندارم

بسکه لطف از نظاره یافته ام   زندگی دوباره یافته ام

من بدامان تو فغان آخر   جگر پاره پاره یافته ام

بگرد کوی تو من بار بار می گردم   تو ره نمی دهی و بیقرار می گردم

حرفیست که از لعل لبش وام گرفتم   گه بوسه طلب کردم و گه نام گرفتم
با خاک نه کار است کسی را نه غبار است   پامال جهان گشتم و آرام گرفتم
آن چشم پر از فتنه و آن زلف بلا بود   من دیده و دانسته فغان دام گرفتم

فصل گل می رود چه چاره کنم   تو گریبان که پاره پاره کنم
اشک گر فرصتم دهد وانگه   چشم بگشایم و نظاره کنم

نه من با کعبه الفت دارم و نه دیر می خواهم   خدا یا دور دار و ما سر دوران خیر می خواهم

نکردم شکوه اش با کس نه خود حرفی شنید از من   گریبان را چو کردم چاک او دامن کشید از من

غنچه بشگفت آشنای سخن!   در دهان تو نیست جای سخن

تو درد بعشاق دهی فکر دوا کن!   از شربت دیدار علاج دل ما کن!

با هزاران ناله آه سرد می آید به دل   بسته ام لب را که هیچ دردی آید به دل
خاک کوی یار از بس در دماغم جا گرفت   اشک ما سر آید نه چشم گرد کی آید به دل

الٰہی بعد مردن در چمن باشد مزار من
کہ تا بلبل بنالد گل بروید بر غبار من
سرشکم داغ من رویم بہ بلبل اے گلعذار من
گل من بوستان من خزان من بہار من
رفوگر می‌کند زخم دلم معلوم می‌گردد
خجالت می‌کشد ناصح ز جیب تار تار من
من از خود رفتہ ام گویند مردم یار می‌آید
چہ می‌آرد فغاں بر دیدۂ من انتظار من

ما را ز دست غیر میسر نشد گہے
داماں او گرفتن و تنہا گریستن!

من گر بنالم چوں کنم تو آشنائے دیگراں
قہرت برائے جان من مہرت برائے دیگراں

نباشد حاجت شمعے بخاک بیکسان او
چراغ از داغ دل باید برائے کشتگان او

این نخواہم کہ تو دشمن ناشاد بدہ
دل محزون مرا رخصت فریاد بدہ
اے فلک پیش تو منظور اگر انصافست
دادہ آنچہ بہ پرویز بہ فرہاد بدہ
تیغ فولاد اگر در کف قاتل دادی
عاشق خستہ جگر را دل فولاد بدہ
چہ شود گر تو شوی سلسلہ جنبان نظیم
اے فغاں این غزل تازہ باستاد بدہ[1]

آں دل کہ فارغ از غم یار است بشکنید
لا حاصل است شیشۂ خالی شکستہ بہ

حاضرم فالم اگر بہر جبیں استادہ
ساعتے بنشیں سرت گردم چرا استادہ

---

[1] پنجاب یونیورسٹی کے نسخہ میں اس شعر کے سامنے حاشیہ پر ایک شعر ہے جو صاف پڑھا نہیں جاتا۔

قاصدا با چه دیده می آئی — که گریبان دریده می آئی
دست را کے دراز کردم من — تو که دامن کشیده می آئی
اے فغان یا قسم ز کوئے نگار — سخت محنت کشیده می آئی

کشتی مرا و باز پشیمان نمی شوی — اے بندۂ خدا تو مسلمان نمی شوی
می سوزی و فتیلۂ هر شمع کشتهٔ — اے رشتۂ حبیب تار گریبان نمی شوی

عجب چشم بیمارے یار داری — کنم تا بکے آه بسیار داری
چو دل نذر کردم بفرمود جان کو — باندک بهه آئی تو بسیار داری
فغان از فغانِ تو معلوم کردم — دلِ خویش جائے گرفتار داری

در وفائے تو داده ام جان را — دگر اے بے وفا چه می خواهی
در کنارت بت تو هست فغان — تو دگر از خدا چه می خواهی

دلم در هجر او امید داری تا بکے اے — ایں اشک باری تا کجا ایں آه و زاری تا بکے

رحم فرماید بحال خستگان تنها بکسے — داغهائے سینه را تا چند بنماید کسے
من بکوشش دامن قاتل بدست آورده ام — اے فغان فریادرس امروز می آید کسے

همیں نه مردم چشم نگه به آنگاه اند — رسید شور سرشکم ز ماه تا ماهی

منظور کیست بی تو تمنای زندگی — من زنده ام به هجر تو ای وای زندگی
از بیم هجر یاد وصالش نمی کنم — بیمار مرگ را چه تمنای زندگی
تنها مرا بخلوت او ره نمی دهند — هستند دوستان همه اعدای زندگی
ما را فغان بهوای خزان و بهار نیست — بسیار کرده ایم تماشای زندگی

اگر میل شرابی کرده باشی — دل ما را کبابی کرده باشی
ز تیغش نیم بسمل ماندی ای دل — تو شاید اضطرابی کرده باشی
بدل داغ غمت را می شمارم — تو هم در دل حسابی کرده باشی
فغان جان دادی و نگرفت قاتل — تو در کشتن حجابی کرده باشی

نیالی ناله و فریاد من در رنج و بیماری — جفاکاری ترا باشد سزاوار و مرا زاری
هزار افسوس گلهای جهان زیب شیوه معذور — دماغم را معطر کند بوی وفاداری
نه در دستم گریبان است نی داماندلیا — مرا از مدتی مشغول دارد شغل بیکاری
دلا تا کی تو نالی و نگه باشکستان شو — عصای خویش سازی هر که را از خاک که داری
صدای زمزمه شب نمی آید فغان شاید — نصیب مرغ خوش آهنگ شد ... گرفتاری

رباعیات

پاشاه فلک جناب وقت مدد است (۱) ذره و آفتاب وقت مدد است
خواهم که بزیر قدمت خاک شوم! — یا حضرت بوتراب وقت مدد است

(۲)

پاشاه نجف حال ضعیفم بنگر — از معصیت خویش خفیفم بنگر

در درگہ تو روے سیہ آوردم ۔۔۔ اے نور خدا روے کشیقم بنگر

(۳)

از بہر عبادت نہ زخود می کوشم ۔۔۔ نے شیخ زمانہ ام نہ خرقہ پوشم
گر پشت بسجدہ خم نگردد چہ کند ۔۔۔ افتاد زبس بار گنہ بر دوشم

(۴)

گویند فغاں نمی خورد بادۂ ناب ۔۔۔ داریم قبول لیکن آن مست شراب
چوں دید کہ ظرف من زعصیاں پرشد ۔۔۔ در ساغر لبریز نمی ریزد آب

(۵)

ساقی ہم ہیچ و جام و مینا ہمہ ہیچ ۔۔۔ اسباب نشاط ہیچ و دنیا ہمہ ہیچ
با ہیچ ہیچ دل ازیں ہا بردار ۔۔۔ گو ہر ہمہ اعتبار و دریا ہمہ ہیچ

(۶)

عارف ہر وقت بے حدی باشد ۔۔۔ زاہد ہر دم بر دو کدی باشد
خوباں خوب از حرف بے گو بینند ۔۔۔ بدمی گو بد کسے کہ بدمی باشد

(۷)

از شرع مرا بگو چہ را ہی باید ۔۔۔ بے باکی در رندی چہ گناہے باید
از پہلو ذات تا کہ روشن گردد ۔۔۔ البتہ مرا روے سیاہے باید

(۸)

دور از وہم است امتحان درویش ۔۔۔ دور از فہم است داستان درویش
در صدل خود فقیر بادل بسپرد ۔۔۔ قہر در دیش شد بجان درویش

(۹)

از بیم عذاب حیف کردی توبہ ۔۔۔ از بادۂ ناب حیف کردی توبہ

گل جوش زد و شگوفه بار آورد — ای خانه خراب حیف کردی توبه

(۱۰)

نی ملک و معاش و نی زمین می ماند — نی یار و رفیق و هم‌نشین می ماند
چیزیکه بماند و نماند است فغان — نامیست که بر لوح نگین می ماند

(۱۱)

آن قابل دشنام و عتاب است کجا — آن لائق کشتن و عذاب است کجا
دل را چه برم به پیش جانان گویم — ای خانه خراب آن خراب است کجا

(۱۲)

از کوی تو من خجل نخواهم برخاست — تا جان ندهم ز دل نخواهم برخاست
با خاک درت چو آب شامل شده ام — هرگز هرگز ز گِل نخواهم برخاست

(۱۳)

بیدرد مرا ز دل خراشی چه غم است — از چشم تر و ز اشک پاشی چه غم است
گفتم بسر کوی تو باشم گفتا — باشی چه غم است اگر نباشی چه غم است

۱۴

آهی داریم ماکه بی تاثیر است — اشکی داریم ماکه دامنگیر است
جسمی داریم کو سراپا داغ است — داریم ولی که قابل تعزیر است

(۱۵)

دل را دادیم و نیم جانی باقی است — از هستی ما همین نشانی باقی است
آن نیز مسافر است و در رفتن آن — ساعت هم نیست بلکه آنی باقی است

(۱۶)

در عشق مرا حال تباهی باید — آتش بدل و به سینه آهی باید

این ها همه بر تست لیکن صنما — گاهے گاہے بمن نگاہے باید

(۱۷)

این شوخ یگانه از کجا پیدا شد — آشوب زمانه از کجا پیدا شد
دل رفت و بجائے دل خیالش جا کرد — این صاحب خانه از کجا پیدا شد

(۱۸)

دنیا داران همیشه زر می جویند — فیل و شتر و توسن و خر می جویند
این تنگ دلان چو خاک بیزان از خاک — هر چند بیابند دگر می جویند

(۱۹)

سیمین بدنان که طالب سیم و زرند — کے اہل خون دل و لخت جگر اند
بے زر کنند با پشیزے نخرند — هر چند که قطره هائے اشکم گهر اند

(۲۰)

بر هم زن روزگار یاد تو بخیر — آوارهٔ هر دیار یاد تو بخیر
عمریست که از سینهٔ من گم شده است — آه اے دل بیقرار یاد تو بخیر

(۲۱)

گر گریه کنیم یار می خنداند — ور خنده کنیم یار می گریاند
شمعیم که ما را بشب وصل نگار — خنداند و گریاند و می سوزاند

(۲۲)

شاه پسرے عجب صفاتے دارد — عاشق بر خش شدن نجاتے دارد
از دیده خضر چون سکندر نرویم — چاه ذقنش آب حیاتے دارد

(۲۳)

شیرین ز اوج خسروانی مسرور — فرهاد بشغل تیشه رانی مسرور

لیلیٰ بخیال تاب و طاقت مشغول! مجنوں با ضعف و ناتوانی مسرور

(۲۴)

شاید بہ جہاں نماند غوغائے دگر کس نیست چو من دل شدہ رسوائے دگر
پہلوئے دلم خانہ خود ساختہ اے درد نداری تو مگر جائے دگر

(۲۵)

از دست جفائے صنم نا انصاف داغے بجگر دارم و در سینہ شگاف
رحمے رحمے بحال بیکس رحمے انصاف انصاف اے عزیزاں انصاف

(۲۶)

در گوش کسے رسد فغانم مشکل گویا شود از شکوہ زبانم مشکل
جائے بنشستہ ام کہ باید برخاست مانم مشکل دگر نمانم مشکل

(۲۷)

ہرگز پسر من ز غم عالم پرسی درد دلم از دیدۂ پر نم پرسی
اشکے کہ ز چشم بر لبم می آید ایں طفل بس است بہر ماتم پرسی[1]

(۲۸)

گویم بچہ وجہ منکر رستم رستم المحال دل خویش گر بستم بستم
شانہ ہم اگر بہ زلف باشد باشد من نیز بلاکش تو ہستم ہستم

(۲۹)

تا کے ز فراق تو بخود جبر کنم از دیدۂ تر خوں بدل ابر کنم
یعقوب نیم چند بگریم ظالم ایوب نیم تا بکجا صبر کنم

---

[1] اس شعر کے سامنے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے نسخہ کے حاشیہ پر دو شعر ہیں جو پڑھے نہیں جاتے

(۳۰)

خون دل خود خورم شراب است اینجا لخت دل خود خورم کباب است اینجا
در هجر تو شکوه از معیشت نکنم در قسمت من دانه و آب است اینجا

(۳۱)

باید درویش را به صحرا گشتن بے مونس و بے رفیق تنها گشتن
ننگ است فغان با عتقاد از او بهر دنیا ذلیل دنیا گشتن

(۳۲)

اے یوسف من پا نہی بر سر راہ از جان گذرد ہر کہ کند بر تو نگاہ
گر روے تو در خواب زلیخا بیند او یوسف خود را فگند باز بچاہ

(۳۳)

دل باختہ ایم عشق بازی تا کے خواری بامید سرفرازی تا کے
انصاف انصاف ما غلام تو شدیم اے بندہ نواز بے نیازی تا کے

(۳۴)

تشریف کہ در خانۂ ما آوردی! مردم ہمہ حیران کہ چہا آوردی
بنشین بنشین کہ چشم عاشق فرش است خوش آمدہ با صفا آوردی

رباعیات ہجو[1]

(۳۵)

از کردۂ خود کے پدرم منفعل است بے بستنش متصل است
از کشتن من دست نخواہد برداشت آن خانہ خراب حارث ننگدل است

---

[1] پنجاب یونیورسٹی میں رباعیات ہجو کے بجائے راجہ رام نراین بہادر سے پہلے تک کے اشعار نہیں ملتے

(۳۶)

آخر مادر بگور افگند مرا — در رنج و تعب بزور افگند مرا
گفتم که من از خون تو پیدا شده‌ام — چون لتهٔ حیض دور افگند مرا

(۳۷)

شوم است بقول ہندیان کناس است — بوم است ز سایه‌اش جهان را یاس است
بدخواه برادر و برادرزاده — ابن عم نشتر کینهٔ بنی عباس است

(۳۸)

بدریش برادر شقی لقث باشد — ہرچند که ہم رشته و ہم کف باشد
خواہد که مرا بچاه غم اندازد — شاید ز برادران یوسف باشد

(۳۹)

گه بردر یار جبهه سایم مشکل — در درگه او اگر بر آیم مشکل
مانند نفس آمد و رفتے دارم — آیم مشکل و گرنه آیم مشکل

ہجو مہابت خاں عرف سلطان جان خسر احمد شاہ

(۴۰)

بر دختر زشت تو نشد شم مشتاق — ما ہیچ شنیدیم که داد است طلاق
افسوس افسوس این چه حالت رو داد — حال تو خراب گشت اے قرم ساق

ہجو مان خاں خالوی احمد شاہ

(۴۱)

در درگہت اے بادشه عالی جاه — ہرچند که این عرض بود محض گناه

خالوے تو ہجو روسیا ہے باشد　　　لاحول ولا قوت الا باللہ

ہجو..... احمد شاہ

(۲۴)

اے فرخ دہن کشاد یاد تو بخیر　　　اے بانیٔ ہر فساد یاد تو بخیر
اے قبلۂ عالم تو سلامت باشی　　　اے مادر کیقباد یاد تو بخیر

قطعہ

اے عم بزرگوار بد خواہ　　　در خورد بیک مقام ناگاہ
گفتم کہ عداوت از کجا چیست　　　فرمود کہ قربتہ الی اللہ

ہجو راجہ رام نراین بہادر دیوان نواب شجاع الدولہ بہادر

اللہ می دہاند و شیطان نمی دہد　　　نواب می دہاند و دیوان نمی دہد
بیر جنبش ببیں کہ زگلزار روزگار　　　یک گل بعندلیب غزلخواں نمی دہد
شیطان ازیں عمل بہ تحیر فتادہ است　　　گندم چرا بحضرت انساں نمی دہد
لب تشنہ مردہ است سکندر ز دست او　　　آب بقا ز چشمۂ حیواں نمی دہد
خواہد کہ جن و انس بفرماں من شوند　　　انگشتری بدست سلیماں نمی دہد
آن کیست راجہ رام نراین بہادر است　　　کز راہ ظلم داد غریباں نمی دہد
ایرانیاں بدرگہ او نوحہ می کنند　　　چیزے بنام شاہ خراساں نمی دہد
تورانیاں بہ کلبۂ احزاں نشستہ اند　　　حبہ برائے حضرت ایشاں نمی دہد
شاگرد پیشہ سیلیے استاد می خورد　　　یک چوب خشک در کف درباں نمی دہد

این را مگو که چیلۂ نواب زر گرفت
کو ۔۔۔ ہم بدست غلاماں نمی دہد

ہذا ختمت انتخاب دیوان مرزا اشرف علی المتخلص بہ فغاں مخاطب
بخطاب ظریف الملک کوکہ خاں بہادر سلمہ اللہ الرحمان